# شیطانی مثلّث

پاکستانی فوج، بیوروکریسی اور جاگیردار سیاسی خاندانوں کی فرنگی تلے اٹھان
اور ان کے باہمی گٹھ جوڑ کی مکروہ تاریخ

پروفیسر تان تائی یونگ کی کتاب
"دی گیریزن سٹیٹ"
کا ترجمہ و تلخیص

استاد احمد فاروق حفظہ اللہ

ادارہ حطّین

# شیطانی مثلث

## پاکستانی فوج، بیوروکریسی اور جاگیردار سیاسی خاندانوں کی فرنگی تلے اٹھان اور ان کے باہمی گٹھ جوڑ کی مکروہ تاریخ

پروفیسر ٹان ٹائی یونگ کی تصنیف **The Garrison State**
کا ترجمہ و تلخیص


**ترجمہ و تلخیص: استاد احمد فاروق حفظہ اللہ**

**ترتیب: مطیع الرحمان**



**ادارۂ حطین**

# پیش لفظ

بسم اللہ والحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ وبعد،

آج سے دو سال قبل اپنے محترم بھائی اور بزرگ جناب ہدایت اللہ مہمند صاحب کے کہنے پر کتاب The Garrison State کا مطالعہ کیا۔ کتاب میں دی گئی معلومات پاکستانی فوج، پاکستانی سیاست اور پاکستان کی سول انتظامیہ کی تاریخ کے کچھ نہایت اہم پہلوؤں پر سے پردہ اٹھاتی ہیں۔ اس بات نے کتاب کے مضمون کی صحت پر اطمینان میں اضافہ کیا کہ مصنفِ کتاب نے یہ کتاب تحقیقی انداز میں تحریر کی ہے اور تمام اہم معلومات کے حوالہ جات اہتمام کے ساتھ دیئے ہیں۔ کتاب پڑھ کر احساس ہوا کہ یہ تصنیف پاکستانی فوج اور پاکستانی ریاست کی تاریخ سمجھنے اور ان کی نظریاتی اٹھان کی بنیادیں جاننے کے لیے یہ ایک ایسے اہم دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے جو پاکستان کے ہر صاحبِ فہم شخص کو پڑھنا چاہیے۔ ہمارے ملک میں بالعموم اس موضوع پر علمی اور تحقیقی انداز میں کام نہیں کیا جاتا۔ یا تو اس موضوع پر ان اشتراکی اور سیکولر مصنفین کی تحریرات ملتی ہیں جو مخصوص سیاسی و نظریاتی مقاصد کے پیشِ نظر اس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اور ان کی دین دشمنی کا متعصبانہ رنگ ان کی تحریرات میں صاف جھلکتا ہے؛ یا پھر اس موضوع پر ان دین پسند مصنفین کی تحریرات ملتی ہیں جو پاکستان کے تناظر میں بات کرتے ہوئے وطن پرستی اور دین سے محبت کو ہم معنی سمجھ کر، فوج اور ریاست کو مقدس گائے اور ہر تنقید سے بالا مان کر، پھر ایک رومانوی، غیر علمی اور غیر حقیقت پسندانہ انداز میں قلم اٹھاتے ہیں۔ ایسی غیر معتدل فضاء میں ایک ایسی تحریر ہی کی ضرورت تھی جو پاکستانی ریاست اور فوج سے متعلق تاریخی حقائق کو جیسے وہ ہیں، ویسے ہی بیان کر دے اور فیصلہ انصاف پسند قارئین کے لیے چھوڑ دے کہ وہ ان حقائق سے کیا نتائج اخذ کرتے ہیں۔ اس کتاب کی اسی خصوصیت کے پیشِ نظر اس کو اردو زبان میں منتقل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ نیز چونکہ بالاصل کتاب کافی طویل تھی (یعنی ۳۳۲ صفحات پر مشتمل تھی) اس لیے عام قاری کے لیے پڑھنا اور استفادہ کرنا دشوار ہو جاتا۔ اسی لیے کوشش رہی کہ کتاب کے اہم مضامین اور اس میں درج قیمتی معلومات کی تلخیص کر دی جائے تاکہ کتاب کا مرکزی خیال بآسانی ہر قاری تک پہنچ سکے۔

اللہ میرے محترم و محبوب بھائی جناب مطیع الرحمان صاحب کو جزائے خیر دے جن کے بار بار تحریض و ترغیب دلانے سے یہ کام ممکن ہو پایا۔ مصروفیات کے پیشِ نظر تلخیص کے لیے یہی صورت طے پائی کہ میں اصل کتاب کا مطالعہ کر کے، اس کے بنیادی مضامین اور اہم مقامات کی نشان دہی کر لوں اور پھر ان مقامات کا خلاصہ ایک بیان کی سی شکل میں زبانی املاء کروا دوں۔ اللہ بھائی مطیع الرحمان صاحب کو جزائے خیر دیں جنھوں نے اس کارِ خیر میں تعاون کی حامی بھری، بندہء فقیر کے املاء کردہ نکات کو اپنے پاس تحریر کیا، انہیں ایک مرتب شکل دی، کتاب کی طرف رجوع کر کے جداول کا اضافہ کیا اور اہم تاریخوں اور اعداد و شمار کی صحت کا جائزہ لیا۔ اللہ تعالیٰ میرے محترم بھائی مولانا مثنیٰ حسان صاحب کو بھی جزائے خیر دیں جنھوں نے ترجمے میں روانی پیدا کرنے اور اس کتابچے میں دی گئی کئی معلومات کی صحت کو یقینی بنانے کے لیے نظرِ ثانی کی اور اس میں کئی اعتبار سے بہتری پیدا کی۔ آخر میں بندہء فقیر نے پھر سے پوری تحریر کا جائزہ لیا اور اس میں بعض مختصر اضافے اور ترمیمات کیں۔ اللہ تعالیٰ ادارۂ حطین سے وابستہ ان تمام بھائیوں کو بہترین جزا دیں جن کے تعاون سے یہ کتابچہ تیار ہو کر منظرِ عام پر آیا۔

کتابچے کے اسلوب کے حوالے سے چند باتیں عرض کرتا چلوں:

- کتابچے میں دیئے گئے بیشتر عنوانات بندہء فقیر کی طرف سے باندھے گئے ہیں۔ انہیں اصل انگریزی کتاب کے عنوانات نہ سمجھا جائے۔
- کتابچے میں دیئے گئے تمام تر حوالے اصل انگریزی کتاب ہی سے اخذ شدہ ہیں۔
- جن مقامات پر حاشیہ میں مترجم کی جانب سے کتاب کے متن پر کوئی تبصرہ کیا گیا ہے وہاں ساتھ بین القوسین ''مترجم'' لکھ دیا گیا ہے۔
- یہ وضاحت بھی کرتا چلوں کہ کتاب Garrison State کا مکمل نام یہ ہے:

The Garrison State, The Military, Government and Society in Colonial Punjab, 1849-1947

اس نام کا اردو ترجمہ کیا جائے تو کچھ یوں بنے گا:

''فوجی ریاست۔ نوآبادیاتی دور کے پنجاب کی فوج، حکومت اور معاشرہ، ۱۸۴۹ء تا ۱۹۴۷ء''

ہم نے کتاب کے ترجمہ و تلخیص لیے اردو میں جو نام تجویز کیا ہے وہ ہماری اپنی جانب سے ہے، کتاب کے اصل نام کا ترجمہ یہ نہیں ہے۔

کتاب کے مصنف کا نام ٹان ٹائی یونگ ہے جو تاریخ کے مضمون کے استاد (ایسو شی ایٹ پروفیسر) اور نیشنل یونیورسٹی آف سنگاپور میں شعبہء عمرانیات کے سربراہ ہیں۔ کتاب پہلی بار سن ۲۰۰۵ء میں چھپ کر منظرِ عام پر آئی تھی اور اسے پاکستان میں ''وین گارڈ بکس پرائیویٹ لمیٹڈ'' نے چھاپا تھا۔

آخر میں یہ وضاحت بھی کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ کتاب کے ترجمے سے ہر گز بھی کسی ایک علاقے یا مخصوص صوبے یا خاص قوم کے خلاف تعصبات بھڑکانا نہیں ہے۔ جو شخص بھی ہماری دعوت سے واقف ہے وہ بخوبی جانتا ہے کہ ہماری دعوت کا ایک اساسی جزو ایمان کی بنیاد پر ایک امت کے تصور کا احیاء اور وطنی، قومی، نسلی، قبائلی، لسانی، تنظیمی، ہر قسم کے تعصبات کی مذمت ہے۔ نبی ﷺ نے ان تعصبات سے منع فرمایا ہے اور ان سے شدید نفرت کا اظہار فرمایا ہے۔ اس لیے کتاب کے ترجمے سے ہر گز بھی یہ پیشِ نظر نہیں کہ ایک مسلمان قوم کو دوسری مسلمان قوم کے خلاف ابھارا جائے یا مجاہدین کے دلوں میں کسی مخصوص قوم یا علاقے کی نفرت بٹھائی جائے۔ میرا اپنا آبائی تعلق بھی اسی خطہء پوٹھوہار سے ہے جس کے سپاہیوں کے سیاہ کردار کو یہ کتاب جا بجا بیان کرتی ہے۔ لیکن جہاں ان تعصبات سے خود کو بچانا اور اپنی تحریک کو صاف ستھری ایمانی بنیادوں پر کھڑا کرنا ضروری ہے، وہیں اپنی حکمتِ عملی ترتیب دیتے ہوئے حقائق سے نگاہیں چرانے سے گریز کرنا اور مسلمانانِ پاکستان کی گردنوں پر مسلط نظام کو چلانے میں ملک کی مختلف قوموں اور طبقات کے کردار کو سمجھنا بھی نہایت ضروری ہے۔ یہ حقائق نگاہ میں ہوں گے تو ملک کی مختلف جہادی اور دعوتی تحریکات یہ طے کر پائیں گی کہ کن علاقوں میں دعوتی کام کو مضبوط کرنے سے اس باطل نظام کی جڑوں پر ضرب لگتی ہے؟ کون سی اقوام کی صلاحیتوں کو اسلام کی طرف پھیر دینے سے پورے معرکے کا نقشہ تبدیل ہو جاتا ہے؟ وہ اقوام کن وجوہات سے اس نظام سے چمٹی ہوئی ہیں؟

یقیناً ملک میں اسلامی تبدیلی لانے کے خواہش مند اور شریعت کو اس زمین پر حاکم دیکھنے کے متمنی تمام سنجیدہ افراد و طبقات ان مباحث کو سمجھنے میں دلچسپی لیں گے تاکہ اپنی دعوتی حکمتِ عملی درست انداز سے ترتیب دے سکیں، نفاذِ شریعت اور اعلائے کلمۃ اللہ کے سفر میں اپنے روایتی حلیفوں اور متوقع مخالفین کی نشان دہی کر سکیں اور اس جونک نما نظام کی جڑوں کو بھی نہایت باریک بینی اور گہرائی سے علمی

انداز میں سمجھ سکیں، کیونکہ اس نظام کو جڑوں سے اکھاڑے بغیر اس سرزمین پر اسلام اور اہلِ اسلام کو غالب کرنے کا خواب محض ایک خواب ہی رہے گا۔

یہ کتاب ہر دینی تحریک کے کارکنان اور بالخصوص ملک کے سیکولر نظام کے خلاف برپا جہادی تحریک سے وابستہ داعی حضرات کو اس سمت توجہ دلاتی ہے کہ وہ ''جنگجو نسلوں'' (Martial Races) کے علاقوں کو اپنی دعوت کا خصوصی ہدف بنائیں اور وہاں ایک امت کا تصور، خلافت کے احیاء کی تڑپ، دوستی و دشمنی کے اسلامی معیار کا فہم، کفار کے خلاف جہاد کا جذبہ اور دنیا پہ آخرت کو ترجیح دینے کا عقیدہ عام کرنے کی سنجیدہ محنت کریں تاکہ ان علاقوں کی اقوام اس باطل نظام کو مضبوط کرنے کی بجائے اپنی صلاحیتیں دین کی سربلندی کے لیے وقف کر دیں۔ دشمن کی مستقل محنت ہے کہ وہ ہر اس منبع کا گلا گھونٹے، ہر اس چشمے کو خشک کرے جس سے جہادی و دینی تحریکات کو افرادی قوت فراہم ہوتی ہے۔ اہلِ دین پر بھی لازم ہے کہ وہ بھی ہر اس جوہڑ کو خشک کریں اور ہر اس منبع کا رخ خیر کی طرف پھیریں جس سے اس باطل نظام کو افرادی یا مالی قوت میسر آتی ہے۔

نیز یہ کتاب باطل نظام کی خدمت میں پیش پیش رہنے والے خطوں، اقوام اور خاندانوں سے تعلق رکھنے والے مجاہد بھائیوں کو بھی یہ دعوت دیتی ہے کہ وہ اپنے خاندانوں، اقوام اور خطوں پر محنت کریں اور ان میں حکمت کے ساتھ دین کی دعوت اور نظام بدی سے بغاوت کا جذبہ بیدار کریں۔ یقیناً اس سمت بڑھنے والا ہر قدم اس باطل نظام کی جڑیں کاٹنے کا اور اہلِ دین کو مضبوط کرنے کا ذریعہ بنے گا۔

اللہ تعالیٰ اس حقیر سی کاوش کو ہم سے قبول فرمالے اور اسے تمام قارئین کے لیے ہماری تاریخ سے متعلق تلخ مگر اہم حقائق کو پہچاننے کا ذریعہ بنادے، آمین!

وصلی اللہ علی نبینا محمد و علی آلہ وصحبہ وسلم

خادمِ علماء و مجاہدین

احمد فاروق عفی اللہ عنہ

## پنجاب پر انگریزوں کا قبضہ

انیسویں صدی کے آغاز میں پنجاب پر سکھوں کا قبضہ تھا۔ اس وقت صوبہ پنجاب کی حدود شمال مغرب میں قبائل تک اور مشرق میں دہلی تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یعنی موجودہ صوبہء سرحد کا بیشتر بندوبستی علاقہ اس وقت پنجاب میں شامل تھا۔ ۱۸۳۹ء میں راجہ رنجیت سنگھ کے مرنے کے بعد سکھوں میں جانشینی کے معاملے پر جھگڑوں کا آغاز ہو گیا۔ چنانچہ ۱۸۳۹ء تا ۱۸۴۶ء تک پنجاب بدامنی کا شکار رہا۔ ۱۸۴۶ء میں 'پہلی انگریز سکھ جنگ' ہوئی جس کے نتیجے میں انگریز 'جالندھر' اور 'ہوشیار پور' کے اضلاع پر قابض ہو گئے۔ ۱۸۴۹ء میں 'دوسری انگریز سکھ جنگ' ہوئی جس کا سبب انگریز کی پیادہ (Infantry) فوج کی دو سکھ رجمنٹوں کی بغاوت بنی۔ اس بغاوت کو کچلنے کی آڑ میں انگریز فوج نے باقی پنجاب پر بھی حملہ کر دیا۔ نتیجتاً پورا پنجاب (موجودہ سرحد کے علاقوں سمیت) انگریز کے قبضے میں چلا گیا۔ اس قبضے کے بعد سکھوں کے مستقبل کے بارے میں انگریز فوج کے اعلیٰ افسران میں بحث کا آغاز ہوا کہ آیا ان کو انگریز فوج میں شامل کیا جائے یا ان سے اسلحہ واپس لے کر انھیں منتشر کر دیا جائے۔ سکھوں کی تربیت فرانسیسیوں اور پرتگالیوں کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ لہٰذا یہ اچھے تربیت یافتہ تھے اور انگریزوں کے لیے کارآمد ثابت ہو سکتے تھے، لیکن دوسری طرف ان میں مذہبی جذبہ بہت زیادہ تھا جس کی وجہ سے ان کی طرف سے بار بار بغاوت کا خدشہ بھی اپنی جگہ موجود تھا۔ فیصلہ یہ ہوا کہ سکھوں سے اسلحہ لے کر انھیں منتشر کر دیا جائے۔ سکھوں سے مختلف قسم کے ایک لاکھ بیس ہزار (۱۲۰۰۰۰) ہتھیار واپس لیے گئے اور پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) سکھ سپاہیوں کو لاہور میں جمع کر کے کچھ معاوضہ دینے کے بعد منتشر کر دیا گیا۔ انگریزوں نے سکھوں کے خلاف یہ ساری جنگ اپنی 'بنگال آرمی' کے ذریعے لڑی تھی۔ واضح رہے کہ برطانیہ نے برِّصغیر میں گھسنے کے بعد ابتداء میں وفاق کے تحت تین 'صدارتی افواج' (Presidential Armies) قائم کی تھیں، یعنی بنگال آرمی، بمبئی آرمی اور مدراس آرمی۔ پنجاب پر قبضے میں پیش پیش رہنے والی بنگال آرمی میں موجود مقامی فوجیوں کا تعلق زیادہ تر بنگال، بہار اور اُڑیسہ کے علاقوں سے تھا۔ اور بنگال آرمی کے انگریز فوجیوں کو شامل کیا جائے تو پنجاب میں بنگال آرمی کی کل افرادی قوت پچاس ہزار بنتی تھی۔

## انگریز کے تحت پنجاب کے پہلے فوجی دستے کا قیام

پنجاب اور سرحد کے ملحقہ علاقوں پر قبضہ کر لینے کے بعد انگریزوں کی توجہ قبائلی علاقہ جات کی جانب مبذول ہوئی، کیونکہ اس سے پہلے سکھوں کو بھی قبائل کی طرف سے حملوں کا سامنا رہتا تھا۔[1] انگریز نے پنجاب کو قبائل کے حملوں سے محفوظ کرنے کے لیے 'پنجاب کی بے قاعدہ سرحدی فوج' (Punjab Irregular Frontier Force)[2] قائم کی۔ آغاز میں اس بے قاعدہ دستے میں چار (۴) یورپی افسر، سولہ (۱۶) مقامی افسر اور نوسو (۹۰۰) سپاہی بھرتی کیے گئے۔ مقامی سپاہیوں میں ۵۰ فیصد پنجابی مسلمان، ۲۰ فیصد سکھ اور ۲۵ فیصد باقی قوموں کے ہندوستانی شامل تھے۔ اس دستے کا قیام 'پاکستان فوج' کا نقطہء آغاز ہے۔[3]

بے قاعدہ فوج میں بھرتی ہونے والے پنجاب کے سپاہیوں کی کارکردگی سے مطمئن ہونے پر ۱۸۵۱ء میں پنجاب سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو بنگال آرمی میں باقاعدہ طور پر بھرتی کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ تاہم یہ اجازت اس شرط پر تھی کہ ہر رجمنٹ میں دوسو (۲۰۰) سے زیادہ سکھ نہ ہوں، کیونکہ سکھوں سے انگریزوں کو بغاوت کا خطرہ بدستور باقی تھا۔ البتہ عملاً ایک رجمنٹ میں بمشکل بیس سکھ ملتے تھے اور باقی زیادہ تر مسلمان اور پھر ہندو ہوتے تھے۔[4] نتیجتاً بنگال فوج کی کل ۷۴ رجمنٹوں میں سکھوں کی کل تعداد تین ہزار (۳۰۰۰) سے تجاوز نہ کی۔

---

[1] خصوصاً ہندوستان سے ہجرت کر کے آنے والے سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کے جانبازوں اور ان کے مقامی انصار کے حملوں سے سکھوں کو بہت نقصانات اٹھانے پڑے تھے۔ (مترجم)

[2] انھیں مختصر انداز میں PIFFers کہا جاتا تھا۔ آج بھی PIFFers پاکستانی فوج کی سب سے معروف و مایہ ناز رجمنٹوں میں سے سمجھی جاتی ہے۔ (مترجم)

[3] کل بھی اس فوج کے قیام کا ایک اساسی مقصد سرحدی مجاہدین کا مقابلہ کرنا اور ریاست کی رٹ کو قائم کرنا تھا۔ آج بھی ان کا ایک اساسی مقصد یہی ہے۔ بلکہ اب تو سال ۲۰۱۳ء میں فوج نے رسمی طور پر اپنی سبز کتاب (گرین بُک) میں اپنے نظریہء جنگ اور ترجیحات کی تبدیلی کا اعلان کر دیا ہے اور داخلی خطرے (یعنی قبائل سے اٹھنے والی جہادی تحریک) سے نمٹنے کو بیرونی خطرات (یعنی امریکہ اور بھارت سے درپیش خطرات) کے مقابلے سے زیادہ اہم قرار دے دیا ہے۔ (مترجم)

[4] کتاب میں جابجا یہ تلخ تاریخی حقیقت سامنے آتی ہے کہ پنجاب کے سکھوں نے پنجاب کے مسلمانوں کی نسبت انگریز کو زیادہ تنگ کیا ہے اور مستقل اس کے لیے پریشانی کا باعث بنے رہے ہیں۔ (مترجم)

## ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں پنجاب کا کردار

۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو بنگال آرمی کی 'میرٹھ'[5] میں تعینات دو رجمنٹوں 'بیسویں بنگال مقامی پیادہ رجمنٹ' (20th Bengal Native Infantry) اور 'تیسری ہلکی گھڑ سوار رجمنٹ' (3rd Light Cavalry) نے بغاوت کر دی۔ آہستہ آہستہ باغیوں کے ساتھ آبادی کے دیگر طبقات بھی شامل ہو گئے اور چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر دہلی پر قبضہ کر کے بہادر شاہ ظفر کو دوبارہ حکمران بنا دیا گیا۔ انگریز کے لیے یہ ہندوستان پر قبضے کے دوران پیش آنے والا سب سے سنگین مسئلہ تھا، کیونکہ پنجاب پر قبضہ برقرار رکھنے کی ضامن بنگال آرمی ہی میں بغاوت ہو گئی تھی۔ بنگال آرمی میں اس وقت تئیس ہزار (۲۳،۰۰۰) گورے افسر تھے جن کی زیادہ تعداد پنجاب میں تعینات تھی۔ بغاوت کو پنجاب تک پھیلنے سے روکنے کے لیے انگریز نے پنجاب میں تعینات بنگال آرمی کے مقامی سپاہیوں سے بھاری اسلحہ واپس لینے کا فیصلہ کیا۔ بنگال آرمی میں اس وقت مقامی فوجیوں کی کل تعداد ایک لاکھ پینتیس ہزار (۱،۳۵،۰۰۰) تھی۔ پنجاب میں تعینات دس ہزار تین سو چھبیس (۱۰،۳۲۶) گورے افسروں نے 'پنجاب کی بے قاعدہ سرحدی فوج' (PIFFers) کے ساتھ مل کر...... جس کی افرادی قوت اس وقت تک تیرہ ہزار چار سو تیس (۱۳۴۳۰) تک پہنچ چکی تھی...... امرتسر، لاہور، ملتان اور جہلم میں بنگال آرمی کے مقامی فوجیوں سے ہر قسم کے ہتھیار واپس لے لیے۔ یوں پنجاب میں تعینات فوج میں بغاوت کا خطرہ ختم ہو گیا۔

پنجاب سے فارغ ہونے کے بعد دہلی کی طرف توجہ کی گئی۔ دہلی میں موجود افسران جن کی قیادت جنرل 'آرتھر ولسن' (Arthur Wilson) کر رہا تھا، مسلسل پیغام بھیج رہے تھے کہ اگر جلدی کمک نہ پہنچی تو انہیں مزید پیچھے ہٹنا پڑے گا۔ چنانچہ ان کی مدد کے لیے پنجاب سے مزید رجمنٹیں بھیجی گئیں جن میں درج ذیل رجمنٹیں شامل تھیں:

1. بارہ مختلف یورپی رجمنٹیں
2. چوتھی سکھ رجمنٹ (4th Sikh Regiment)
3. پہلی پنجاب پیادہ رجمنٹ (1st Punjab Infantry)

---

[5] شمالی ہند میں ریاست اترپردیش کا ایک اہم اور تاریخی شہر۔ یہ دہلی کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ (مترجم)

4. پہلی پنجاب گھڑ سوار رجمنٹ (1st Punjab Cavalry)
5. پنجاب گھڑ سوار فوجیوں کا دوسرا سکواڈرن (2nd Squadron of Punjab Cavalry)
6. پنجاب گھڑ سوار فوجیوں کا پانچواں سکواڈرن (5th Squadron of Punjab Cavalry)

لیکن اس کمک سے بھی ضرورت پوری نہیں ہوئی اور جنرل آرتھر ولسن نے مزید کمک مانگ لی۔ اب اگر مزید گوروں کو دہلی کی طرف بھیجا جاتا تو پنجاب میں بغاوت کا خطرہ تھا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ انگریز پنجاب کے مقامی فوجیوں پر اعتماد کرتے اور انہیں دہلی کی طرف روانہ کرتے۔ یہ انگریز کے لیے ایک نازک موڑ اور ایک مشکل فیصلہ تھا۔

**جدول ا: ہندوستان میں موجود برطانوی فوج میں یورپی اور ہندوستانی دستوں کا تناسب**[6]

| | یورپی (شاہی فوج اور کمپنی کے سپاہی) | فیصد تعداد | ہندوستانی سپاہی (شاہی فوج اور کمپنی کے نوکر) | فیصد تعداد | میزان |
|---|---|---|---|---|---|
| **1852** | | | | | |
| بنگال آرمی | 26,089 | 16 | 139,807 | 84 | 165,896 |
| مدراس آرمی | 11,687 | 18 | 53,714 | 82 | 65,401 |
| بمبئی آرمی | 10,933 | 19 | 45,552 | 81 | 56,485 |
| میزان | 48,709 | 17 | 239,073 | 83 | 287,782 |
| **1853** | | | | | |
| بنگال آرمی | 24,986 | 15 | 139,246 | 85 | 164,232 |
| مدارس آرمی | 11,370 | 17 | 53,787 | 83 | 65,157 |

6. Report of Commissioners, 1859, Parliamentary Papers, Cmd. 2515, Vol.5, p.377.

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| بمبئی آرمی | 10,577 | 19 | 45,312 | 81 | 55,889 |
| میزان | 46,933 | 16 | 238,345 | 84 | 285,278 |
| **1854** | | | | | |
| بنگال آرمی | 26,531 | 19 | 138,674 | 81 | 165,205 |
| مدراس آرمی | 11,172 | 17 | 53,254 | 83 | 64,426 |
| بمبئی آرمی | 9,443 | 17 | 44,921 | 83 | 54,364 |
| میزان | 47,146 | 17 | 236,849 | 83 | 283,995 |
| **1855** | | | | | |
| بنگال آرمی | 25,344 | 15 | 139,162 | 85 | 164,506 |
| مدراس آرمی | 10,927 | 17 | 53,031 | 83 | 63,958 |
| بمبئی آرمی | 9,822 | 18 | 44,898 | 82 | 54,720 |
| میزان | 46,093 | 16 | 237,091 | 84 | 283,184 |
| **1856** | | | | | |
| بنگال آرمی | 24,594 | 15 | 137,109 | 85 | 161,703 |
| مدراس آرمی | 10,352 | 16 | 53,201 | 84 | 65,553 |
| بمبئی آرمی | 10,158 | 18 | 44,911 | 82 | 55,069 |
| میزان | 45,104 | 16 | 235,221 | 84 | 280,325 |

بالآخر انگریزنے پنجاب کے فوجیوں پر اعتماد کرنے کا فیصلہ کیا۔ مئی سے ستمبر ۱۸۵۷ء کے درمیان چونتیس ہزار (۳۴۰۰۰) افراد پر مشتمل پنجابی فوج تیار کی گئی جس میں اٹھارہ (۱۸) نئی پیادہ رجمنٹیں شامل تھیں۔ اس میں توپ خانے (Artillery) والے تین سو (۳۰۰) سکھ اور اس کے علاوہ بڑی تعداد میں پنجابی مسلمان شامل تھے۔ علاوہ ازیں پنجاب کو پر امن رکھنے اور یہاں موجود ہندوستانیوں پر نگاہ رکھنے کے لیے سات ہزار (۷۰۰۰) گھڑ سواروں اور نو ہزار (۹۰۰۰) پیادہ سپاہیوں پر مشتمل 'بے قاعدہ لیوی فورس' بھی قائم کی گئی۔ پنجاب سے بھرتی شدہ اس نئی فوج نے مسلمانوں سے دہلی واپس چھیننے

اور ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی ناکام بنانے میں فیصلہ کن کردار ادا کیا اور جنگ کا پانسہ انگریز کے حق میں پلٹ گیا۔[7]

## انگریز سے وفادار جاگیر دار طبقے کا قیام

اس تجربے سے انگریز پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ پنجاب کے سپاہی ان کی خاطر اپنے ہم وطنوں سے لڑ بھی سکتے ہیں اور برطانوی راج کے مفادات کی خاطر جان بھی دے سکتے ہیں۔ البتہ تاحال برطانویوں کا یہ شبہ اپنی جگہ موجود تھا کہ پنجابی سپاہیوں نے یہ قدم دہلی کی دولت لوٹنے کی لالچ میں اٹھایا تھا۔ بہر حال، اس تجربے کے بعد برطانوی سرکار نے بتدریج پنجاب سے بھرتی میں اضافہ کیا اور ابتداء میں ضلع شاہ پور کی ٹوانہ قوم کو 'لیوی فورس' بنانے پر ابھارا۔ ٹوانوں نے ایک ہزار افراد پر مشتمل فوج تیار کی۔ اس فوج میں ٹوانوں کے سردار بھی شامل تھے۔ انگریز ان سرداروں کو مراعات دے کر خوش رکھتا تھا جس کی وجہ سے فوج میں بغاوت کے اثرات معدوم ہوگئے۔ انگریز نے سکھوں سے واپس لیا ہوا اسلحہ ان پنجابی مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھما دیا۔ یوں تھوڑے ہی عرصے میں پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) پنجابی سپاہی اسلحے سے لیس ہوگئے۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد انگریزوں نے 'میجر جنرل جوناتھن پیل' کی سربراہی میں فوج کے اندر اٹھنے والی بغاوت کے اسباب کی نشان دہی اور آئندہ فوجی بغاوتوں کے سدِّ باب کے لیے کمیشن بنایا۔ اس کمیشن نے اس ضمن میں مختلف آراء پیش کیں:

- ایک رائے یہ آئی کہ مزید انگریز فوجیوں کو انگلستان سے بلایا جائے تاکہ آئندہ کسی بھی ممکنہ بغاوت کے دوران انگریز خود اپنے دفاع کے قابل ہوں۔
- دوسری رائے یہ تھی کہ: ''کھلاؤ، استعمال کرو اور گرفت مضبوط رکھو'' (Use, Feed & Control) کی پالیسی اپنائی جائے۔ یعنی مقامی فوج کو مراعات وغیرہ دے کر ان کی

[7] یہ وہ پہلا بڑا موقع تھا جب اسلامی نظام کے احیاء اور شریعت کے نفاذ کی طرف اٹھنے والے قدم کو اس فوج نے روکا۔ اس کے بعد جنگِ امبیلا میں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے جانشینوں کو شکست دے کر اسی فوج نے سرحد میں اسلامی امارت کا خاتمہ کیا۔ اس کے بعد اسی فوج نے جنگِ عظیم اول میں عثمانی خلافت کو گرانے میں اساسی کردار ادا کیا۔ پھر اسی فوج نے امارتِ اسلامیہ افغانستان کو گرانے میں 'فرنٹ لائن اتحادی' کا کردار سنبھالا۔ پھر اگر یہی فوج سوات و وزیرستان سے اٹھنے والے شریعت یا شہادت کے نعروں کو دبانے کے لیے جنگ کرے تو اس میں حیرت کی تو یقیناً کوئی بات نہیں۔ (مترجم)

وفاداریاں خریدی جائیں، انہیں استعمال کیا جائے، لیکن بھاری اسلحہ اور قیمتی اثاثہ جات اپنے ہاتھ میں رکھے جائیں تاکہ معاملات پر اپنی گرفت مضبوط رہے۔

- تیسری رائے یہ تھی کہ 'تقسیم کرو اور حکومت کرو' (Divide & Rule) کی حکمتِ عملی اپنائی جائے۔ یعنی فوج میں مختلف قوموں کا تناسب اس طرح رکھا جائے کہ ہر قوم اپنی اپنی جگہ کمزور ہی ہو اور کسی ایک قوم کی بغاوت کارگر نہ ہو سکے۔

غور و فکر کے بعد اس آخری رائے کو اپنا لیا گیا اور اس مقصد کے لیے Class Company System متعارف کرایا گیا، کہ ایک کمپنی ایک ہی قوم پر مشتمل ہو تاکہ قوموں کے باہمی تعصب سے فائدہ اٹھایا جائے اور مختلف قوموں کے سپاہیوں کے مابین (انگریز کی) خدمت میں ایک دوسرے کو پیچھے چھوڑنے کی دوڑ شروع ہو۔ اس حکمتِ عملی کے نفاذ کے بعد پنجاب میں موجود ہر رجمنٹ میں ایک سکھ، دو پٹھان اور ایک ہندو جاٹوں کی کمپنی بھی رکھی گئی۔ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے بعد بنگال آرمی کے کل چوالیس ہزار چھ سو نوّے (۴۴۶۹۰) سپاہی پنجاب میں تعینات تھے، جن میں سے بارہ ہزار پانچ سو اٹھاون (۱۲۵۵۸) پنجابی تھے۔ یعنی آہستہ آہستہ بنگال آرمی میں پنجابی سپاہیوں کا تناسب بڑھ رہا تھا۔

## جنگجو نسلوں کا نظریہ اور اس کا نفاذ

۱۸۸۰ء میں ایک نئی تبدیلی رونما ہوئی۔ جس کا پسِ منظر سمجھنا مفید ہو گا۔

۱۸۴۸ء میں 'پہلی افغان برطانیہ جنگ' ہوئی۔ برطانیہ نے دوست محمد کو افغانستان کا کٹھ پتلی سربراہ مقرر کر دیا۔ ۱۸۶۳ء میں دوست محمد کے مرنے کے بعد نئی افغان حکومت نے روس کی طرف جھکاؤ ظاہر کیا۔ اس پر افغان حکومت کے ساتھ برطانیہ کا تعلق بگڑ گیا۔ ۲۰ نومبر ۱۸۷۸ء میں 'دوسری افغان برطانیہ جنگ' چھڑ گئی۔ فروری ۱۸۷۹ء تک برطانیہ کابل پر قابض ہو گیا۔ لیکن جلد ہی کابل میں بغاوت پھیل گئی اور برطانوی سفیر 'لوئیس کوِگنری' (Pierre Louis Cavagnari) کو قتل کر دیا گیا۔ البتہ برطانوی فوج کے 'جنرل روبرٹس' (Frederick Roberts) نے فوری اقدام اٹھاتے ہوئے دوبارہ کابل پر قبضہ کر لیا اور یعقوب خان کو کابل کا امیر بنا دیا۔

ان واقعات کی وجہ سے پنجاب کے بارے میں برطانوی پالیسی میں تبدیلی واقع ہوئی۔ انگریز کو اب پنجاب میں ایک ایسی فوج درکار تھی جو قبائل کے حملوں کے خلاف پنجاب کی حدود کا دفاع کرنے کے ساتھ ساتھ افغانستان پر حملہ بھی کر سکتی ہو۔ علاوہ ازیں اب قبائلیوں کے حملوں سے بھی بڑا خطرہ روس

کے حملے کا تھا جسے روکنے کے لیے ایک بھرپور فوج درکار تھی۔ انگریز افغانستان میں اپنے براہِ راست قبضے کی بجائے ایک ایسی حکومت چاہتے تھے جو برطانیہ سے وفادار ہو[8] کیونکہ انہیں تجربہ ہو چکا تھا کہ افغان قوم کسی غیر کی غلامی قبول نہیں کرتی۔ اس سارے پسِ منظر میں 'جنرل روبرٹس' نے "تقسیم کرو اور حکومت کرو" کے نظریے کی جگہ "جنگجو نسلوں کا نظریہ" (Martial Race Theory) پیش کیا۔ اس نظریے کا محوری نکتہ یہ تھا کہ برطانیہ کی فوجی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ہندوستان کی بہترین جنگجو اقوام کو تلاش کر کے انہیں فوج میں بھرتی کیا جائے۔

اس نظریہ کے تحت درج ذیل اقدامات اٹھائے گئے:

- ہندوستان میں روایتی طور پر جنگجو سمجھی جانے والی قومیں تلاش کی گئیں جیسے ہندوؤں میں کشتری وغیرہ۔ تجربے سے یہ بات اخذ کی گئی کہ سنار، بڑھئی وغیرہ اچھے فوجی نہیں ہوتے۔
- ان اقوام میں سے برطانیہ کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دینے والی قوموں کا انتخاب کیا گیا۔ چنانچہ بعض معروف جنگجو قوموں کو صراحتاً نظر انداز کر دیا گیا کیونکہ انہوں نے ماضی میں انگریزوں کے خلاف بغاوتیں کی تھیں، مثلاً بنگالی، سکھ، قبائلی پشتون وغیرہ۔
- ایسے علاقوں میں بسنے والی قوموں کا انتخاب کیا گیا جن کی زمین زرخیز نہ ہو تاکہ وہ معاش کے معاملے میں خود کفیل نہ ہوں اور معاشی اعتبار سے فوج ہی پر انحصار کریں۔ چنانچہ جنوبی اور وسطی پنجاب کے علاقوں کو زمین کی زرخیزی کے باعث نظر انداز کر دیا گیا اور پوٹھوہار کے علاقوں کو کم بارش اور سیم و تھور کی زیادتی کے باعث چنا گیا۔ اس علاقے کے لوگوں کو متبادل روزگار کی تلاش تھی اور ساتھ ہی ساتھ یہ لوگ مضبوط جسم اور اونچے قد کاٹھ کے حامل بھی تھے۔

پوٹھوہار کی قوموں کے ساتھ انگریز کو پہلے بھی خوشگوار تجربات ہو چکے تھے۔ ۱۸۴۸ء میں سکھوں کے خلاف لڑائی کے دوران پنڈی کے گکھڑ راجہ محمود خان نے 'جنرل نکلسن' (John Nicholson) کا ساتھ دیا تھا۔ ۱۸۵۸ء میں بھی گکھڑوں نے دہلی پر قبضہ مستحکم کرنے کے لیے اپنے بندے پیش کیے تھے۔ اس سے قبل قبائل کے حملوں کو روکنے کے لیے PIFFers

[8] ریاستِ پاکستان کی پالیسی بھی آج تک یہی ہے۔ (مترجم)

میں بھی پوٹھوہار کے لوگ بھرتی ہو چکے تھے۔ پوٹھوہار کے علاقے میں بسنے والی اقوام میں سے گکھڑ، جنجوعہ، اعوان اور ٹوانے خاص طور پر مفید ثابت ہوئے۔ پوٹھوہار کے علاوہ کوہاٹ اور بونیر کے علاقوں کو بھی فوجی بھرتی کے لیے منتخب کیا گیا اور ان کی قوموں کو 'جنگجو نسلیں' قرار دیا گیا۔ ان علاقوں کی قومیں افغانستان کے موسم اور جغرافیہ کی بھی عادی تھیں اس لیے افغانستان پر حملے کے لیے ان کی خاص افادیت تھی۔

'جنگجو نسلوں کے نظریے' کے تحت ۱۸۸۳ء میں PIFFers میں پہلے سے بھرتی تمام غیر پنجابی اور غیر پٹھانوں کو فارغ کر دیا گیا۔ ۱۸۸۵ء میں 'جنرل روبرٹس' بنگال آرمی کا کمانڈر اِنچیف بنا تو عہدہ سنبھالتے ہی وہ اپنے اس نظریے کو بھرپور طریقے سے عمل میں لایا۔ ۱۸۸۶ء میں اس نے اعلان کیا کہ بنگال آرمی، بمبئی آرمی اور مدراس آرمی، تینوں ہی سے بتدریج تمام غیر جنگجو قوموں کو فارغ کر دیا جائے۔

۱۸۹۱ء میں جنگجو نسلوں والے علاقوں میں بھرتی کے مراکز بننا شروع ہوئے۔ پشاور میں پشتونوں کے لیے، راولپنڈی میں پنجابی مسلمانوں کے لیے، امرتسر میں سکھوں کے لیے، جالندھر میں ڈوگروں کے لیے، دلّی میں جاٹوں کے لیے اور لکھنؤ میں مشرقی جمنا کی ہندو قوموں کے لیے بھرتی کے مراکز قائم کیے گئے۔ البتہ بھرتی میں زیادہ تعداد پنجابیوں اور غیر قبائلی پشتونوں کی رہی۔ بعد ازاں گورکھوں کو بھی فوج میں شامل کیا گیا۔ اسی سال فوج سے آہر، گجر اور تیلحبس قوموں کی چھٹی کروادی گئی اور ان کی جگہ گورکھے اور پنجابی بھرتی کیے گئے۔

بھرتی کے معیارات بدلنے کے بعد فوج کی تنظیمِ نو کی گئی۔ مدراس آرمی کی کل چھ بٹالین میں چھ کمپنیاں سکھوں کی، بیس پنجابی مسلمانوں کی، دو جاٹوں کی اور آٹھ گورکھوں اور پہاڑیوں کی رکھی گئیں۔ بنگال آرمی میں چار ہندوستانی رجمنٹوں کی جگہ پنڈی کے پنجابی مسلمانوں کی دو رجمنٹیں اور ایک ایک گھڑوال اور ڈوگروں کی کمپنیاں بھرتی کی گئیں۔ ساتھ ہی آہروں اور گجروں کی تیس ہندوستانی کمپنیاں ختم کرنے کا حکم دیا گیا۔ کوشش کی گئی کہ بنگال آرمی میں صرف مسلمان، برہمن، راجپوت، جاٹ اور گڑوال کے پہاڑی رہ جائیں۔ اسی طرح بمبئی آرمی میں بھی بلوچیوں اور پنجابیوں کی تعداد میں اضافہ کیا گیا۔

۱۹۰۳ء میں 'لارڈ کچنر' (Kitchener) فوج کا نیا کمانڈر اِنچیف بنایا گیا۔ اس نے بھی جنگجو نسلوں کی بھرتی کا کام جاری رکھا۔ اس کے حکم سے مدراس کی چودہ رجمنٹوں کی تشکیلِ نو ہوئی۔ نو

رجمنٹیں پنجابیوں کی اور پانچ گورکھوں کی بھرتی کی گئیں۔ علاوہ ازیں کچنر نے بمبئی آرمی، مدراس آرمی اور بنگال آرمی کو اکٹھا کر کے ایک متحدہ ''شاہی ہندی فوج'' (Royal Indian Army) بنا دی، جس کے تحت چار مرکزی کمان تشکیل دی گئیں، یعنی:

- پنجاب کی کمان
- بنگال کی کمان
- مدراس کی کمان
- بمبئی کی کمان

اس شاہی ہندی فوج میں کل ایک لاکھ باون ہزار (۱۵۲۰۰۰) جنگی فوج اور اسی ہزار (۸۰۰۰۰) داخلی امن عامہ قائم کرنے کی فوج شامل تھی۔ اس تشکیلِ نو کی وجہ سے بڑی تبدیلی یہ آئی کہ پنجاب کی اپنی علیحدہ کمان بن گئی اور افغانستان کے حالات کی وجہ سے پنجاب کو مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی۔[9] سن ۱۹۰۰ء تک صورتحال یہ تھی کہ شاہی ہندی فوج کو آدھی سے زیادہ نفری پنجاب فراہم کر رہا تھا۔ بیسویں صدی کے آغاز تک پنجاب ''فوجی مزدوروں کی منڈی'' (Military Labor Market) میں تبدیل ہو چکا تھا۔

**جدول 2: ۱۸۵۸ء تا ۱۹۱۰ء تک پنجابی فوجیوں کی بھرتی**[10]

| سال | فوج میں پنجابیوں کی تعداد | فوج میں پنجابیوں کی فیصد تعداد | 1858 سے فیصد اضافہ |
|---|---|---|---|
| 1858 | 22,790 | 32.7 | |

[9] افغانستان کو یورپی قوتوں کے زیرِ دست رکھنے کا کردار اس فوج کی تاریخ کا ایک جز و لاینفک ہے۔ پاکستانی فوج دراصل مغربی ہند میں واقع شاہی ہندی فوج کی پنجاب کی کمان ہی کی ایک ارتقاء یافتہ شکل ہے۔ اس کمان کا رخ آغاز ہی سے مزید مغرب کی طرف، یعنی قبائلی علاقہ جات اور افغانستان کی سمت رہا۔ اس لیے آج اگر فوج مشرقی سرحدوں سے غافل ہو کر مغرب کی طرف پورا زور لگا رہی ہے اور بحریہ کے علاوہ ہر ممکن قوت وہاں استعمال کر رہی ہے، تو یہ اچنبھے کی بات نہیں۔ (مترجم)

[10] Annual Caste Returns of the Native Army, 1880-1910, IOR: L/MIL/17/4/221,223,224,226.

| | | | |
|---|---|---|---|
| 1880 | 38,538 | 27 | +69 |
| 1890 | 44,940 | 30 | +97 |
| 1900 | 65,820 | 50.6 | +188 |
| 1910 | 93,295 | 53.7 | +309 |

جدول۳: ہندوستان کی پیادہ یونٹوں کی تعداد[11]

| سال | گورکھے | شمال وسطی | شمال جنوب (پنجاب اور سرحد) | بمبئی | مدراس |
|---|---|---|---|---|---|
| 1862 | 5 | 26 | 28 | 20 | 40 |
| 1885 | 13 | 20 | 31 | 26 | 32 |
| 1892 | 15 | 15 | 34 | 26 | 25 |
| 1914 | 20 | 15 | 57 | 18 | 11 |

پنجابی مسلمانوں میں بھرتی کو پنڈی، اٹک اور جہلم کے اضلاع تک محدود رکھا گیا اور ان میں بھی گکھڑ، جنجوعہ، اعوان اور راجپوت قوموں ترجیح دی جاتی تھی۔ تقریباً نوے فیصد رنگروٹ انھی علاقوں اور انھی قبیلوں سے تھے۔ اس سب پر مزید یہ کہ قومی تعصب کو برقرار رکھا گیا اور سکھوں کو مسلمانوں کے مدِ مقابل رکھنے کے لئے ہر دو کو اپنے مذہب پر عمل کی کچھ نہ کچھ اجازت بھی دی گئی۔[12] نتیجتاً یہ قومی نظام مضبوط ہوا اور اس سے فوج کا ڈھانچہ بھی مضبوط ہوا۔ بھرتی کے لیے 'ضلعی بھرتی افسر' تعینات کیے گئے جو ضلع کی سطح پر بھرتی کے ذمہ دار تھے۔ عموماً اس افسر کا تعلق بھی اسی ضلع اور اسی قوم سے ہوتا تھا جس سے بھرتی مقصود ہوتی تھی لہٰذا وہ اپنے علاقے سے بخوبی واقف ہوتا تھا۔ اس افسر کو مراعات

---

[11] Recruiting in India before and during the War of 1914-1918, Army Headquarters, India, 1919, IOR: L/MIL/17/5/2515, p.7

[12] آج بھی بعض سادہ لوح حضرات فوج میں نماز روزے کی آزادی دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ یہ اسلامی فوج ہے۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ فوج کا پورا نظام اور نصاب خالص سیکولر انداز میں ترتیب دیا گیا ہے اور اگر اس سیکولر نظام تلے بعض ذاتی عبادات کی اجازت دی جاتی ہے تو وہ بھی کسی سیکولر مقصد کی تکمیل کی غرض سے ہی دی جاتی ہے۔ (مترجم)

دے کر انگریز اپنے ہاتھ میں رکھتے اور یوں یہ یقینی بناتے کہ یہ بھرتی افسر فوج میں ایسے لوگوں ہی کو لائیں جو برطانیہ سے وفادار ہوں اور کسی خطرے کا باعث نہ بنیں۔

## شاہی ہندی فوج کا نظریہءجنگ... ''پیسہ، جاگیریں اور مراعات''!

لیکن یہ مسئلہ اپنی جگہ باقی تھا کہ برطانیہ کی خاطر جنگ کرتے ہوئے ان جنگجو نسلوں کے لیے لڑائی کا اصل محرک نہ تو دین ہو سکتا تھا اور نہ ہی وطن۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ تو ماہانہ تنخواہ، مراعات اور پنشن کے لیے لڑ رہے تھے کیونکہ ان کے علاقے زرعی پیداوار کے لیے نامناسب تھے اور وہ معاش کے لیے کوئی متبادل ذریعہ نہیں رکھتے تھے۔ مثلاً 'پنڈ دادن خان' کے علاقے کی صرف ایک تہائی زمین قابلِ کاشت تھی، اس لیے اس کے باسی محض پیٹ بھرنے اور پیسہ کمانے کے لیے فوج میں آتے تھے۔ چنانچہ انگریز نے بھی پیسے اور مراعات کے ذریعے ان فوجیوں کی وفاداریاں خریدیں۔ ۱۹۰۱ء کے حسابات کے مطابق جہلم تحصیل کے گکھڑوں نے تنخواہوں اور پنشن کی صورت میں پانچ لاکھ روپے وصول کیے[13]۔ اس سے قبل ان پر زرعی قرضے چڑھے ہوئے تھے اور یہ رقم ان کے زرعی قرض سے تین گنا بڑی تھی۔ اسی طرح تلہ گنگ کے اعوان بارش نہ ہونے کی وجہ سے مقروض ہوئے تو وہ بھی بخوشی فوج میں بھرتی ہونے لگے۔

پیسے کے علاوہ دوسرا محرک 'زمین' تھی[14] جو انعام کی صورت میں یا اجارے کی مد میں ملتی تھی۔ ۱۸۹۰ء میں برطانوی فوج نے اپنے افسروں اور وفادار فوجیوں کو نوازنے کے لیے نہری علاقوں کی زرخیز زمین پر 'نہری کالونیاں' (Canal Colonies) بنائیں۔ ۱۸۹۰ء سے قبل نمایاں کارکردگی دکھانے والے ایک ایک افسر کو پانچ، پانچ سو ایکڑ زمین گرانٹ میں دی جاتی تھی۔ ۱۸۹۰ء کے بعد یہ مقدار مزید بڑھا دی گئی۔ یہ کالونیاں پنجاب میں جہلم، لوئر باری دوآب اور نیلی بار کے علاقوں میں بنیں۔ ان کالونیوں کے قیام کے ذریعے انگریز نے پانچ لاکھ ایکڑ زمین فوجیوں میں تقسیم کی۔ یہ زمینیں

---

13 یاد رہے کہ یہ سن ۱۹۰۰ء کے پانچ لاکھ ہیں، نہ کہ آج کے پانچ لاکھ۔ (مترجم)

14 یہ زمین جو گورے ان فوجی خاندانوں کو اپنی وفاداری کے عوض دیتے تھے، یہ ان گوروں کی اپنی جاگیر نہیں تھی بلکہ یہ تو مسلمانوں کی زمینیں تھیں جو یہ گورے غلبہ پا کر قبضے میں لے لیتے تھے اور پھر انھی زمینوں کو ان لوگوں اور خاندانوں میں تقسیم کرتے تھے جو ان کی وفاداری میں اپنی جانیں قربان کرتے تھے اور یہاں کے مسلمانوں پر گوروں کا قبضہ مستحکم کرتے تھے۔ (مترجم)

فوج میں بھرتی ہونے والے خاندانوں کی طاقت کا ذریعہ بنیں۔ یہ گرانٹ جس قوم یا فرد کو دی جاتی، اسے ایک معاہدے کے تحت دی جاتی جس میں صراحتاً لکھا ہوتا کہ:

> ''آپ کو یہ زمین اس شرط پر دی جا رہی ہے آپ کو ہر وقت تاجِ برطانیہ کے ساتھ وفادار رویّے کا مظاہرہ کرنا ہوگا اور حکومت اور اس کے افسران کو ہر مشکل اور بد نظمی کے موقع پر عملی معاونت فراہم کرنا ہوگی۔ اگر حکومت اس نتیجے پر پہنچے کہ اس شرط کی مخالفت کی گئی ہے تو وہ اس معاہدے کے فسخ کا حق رکھتی ہے''۔

اسی طرح ریٹائرڈ فوجیوں کو بھی بشرطِ وفاداری بیس سال کی ملازمت کے بعد گرانٹ دی جاتی تھی۔ اس سب سے حکومت کو یہ فائدہ ہوا کہ:

- مقامی فوجیوں کی حکومتِ برطانیہ کے ساتھ وفاداری مضبوطی سے قائم رہی۔
- اور انگریز فوج سے وفادار خاندان ہی معاشرتی اور معاشی طور پر مضبوط ہوئے۔

پنجاب سے تعلق رکھنے والے فوجیوں کی غیر معمولی وفاداری اور کارکردگی دیکھ کر انگریز نے پنجاب کو 'تاجِ برطانیہ کا بازوئے شمشیر زن' (Sword Arm of British Raj) قرار دیا۔

## 'دیہی فوجی اشرافیہ' اور انگریز حکومت کے مابین چپقلش

انگریز نے ان قوموں کو راضی رکھنے کے لیے بعض اوقات سر بھی جھکایا، جیسا کہ 'لینڈ ایکٹ'[15] منظور ہونے کے موقع پر ہوا۔ انگریز فوج کی زیادہ تر بھرتی دیہی علاقوں سے ہو رہی تھی۔ اس لیے انگریز بہر صورت اس طبقے کو اسی حالت پر قائم رکھنا اور انھیں شہری تہذیب اور شہری ذہنیت سے دور رکھنا چاہتا تھا۔ اسی لیے جب دیہات کے لوگوں نے معاشی تنگی کے باعث اپنی زمینیں شہری لوگوں کے ہاتھوں فروخت کرنا شروع کیں تو انگریز کو یہ بات ناگوار گزری۔ اس کے سدِ باب کے لیے انگریز نے ۱۹۰۰ء میں انتقالِ اراضی کا قانون منظور کیا جس کے تحت غیر کسان نسلوں کو زمین کی فروخت ممنوع قرار پائی۔ یہی صورتِ حال دیہی فوجی طبقے کے لیے قائم کردہ چناب کالونیوں میں بھی دیکھنے کو ملی۔ آغاز میں یہ کالونیاں بڑی منظم اور صاف ستھری تھیں اور ان کی ملکیت ایک ہی طبقے یعنی 'دیہی فوجی اشرافیہ' کے ہاتھ میں تھی۔ لیکن جب یہاں بھی اراضی کی فروخت کا عمل شروع ہوا تو ان کالونیوں کی صورتِ

---

[15] زمین سے متعلق قانون۔

حال بگڑنے لگی جس کی وجہ سے حکومت نے ۱۹۰۶ء میں 'پنجاب کالونائزیشن ایکٹ' میں ترامیم کا اعلان کیا۔ ان ترامیم کے ضمن میں اراضی کی فروخت کو اسی دیہی طبقے میں مقید کر دیا گیا اور اس طبقے سے باہر فروخت کرنے پر جرمانے عائد کیے گئے۔ ان قوانین کے نافذ ہونے پر دیہی فوجی اشرافیہ میں احتجاج کی لہر پیدا ہوئی۔ ساتھ ہی حکومت نے باری دو آب نہر کے پانی کے نرخ پچیس سے پچاس فیصد تک بڑھا دیے جس سے سکھ جاٹوں میں بھی احتجاج شروع ہو گیا۔ 'آریا سماج پارٹی' کے رہنما 'اجیت سنگھ' نے حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سکھ فوجیوں سے گوروں کی نوکری چھوڑنے کی اپیل کر دی۔ جب حکومتِ برطانیہ نے اس احتجاج کو روکنے کے لیے کچھ نمایاں شخصیات کو گرفتار کیا اور تشدد کا استعمال کیا تو حالات مزید بگڑ گئے۔ امرتسر، لاہور اور راولپنڈی میں جھڑپیں پھوٹ پڑیں۔ انگریز فوج کا کمانڈر اِنچیف کچنر کسی طور فوجی بھرتی کے ان علاقوں کو متاثر نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے وائسرائے 'لارڈ منٹو' سے سفارش کی کہ وہ دیہاتیوں کے مطالبات مانتے ہوئے ان ترامیم کو واپس لے لے۔ وائسرائے نے یہ ترمیمی بل ویٹو کر کے منسوخ کر دیا اور اسے چھوٹی برائی سمجھتے ہوئے قبول کر لیا، مگر ان دیہی اقوام کو ناراض نہیں ہونے دیا جن پر فوج کی بھرتی کا دار و مدار تھا۔

## پنجاب اور پہلی جنگِ عظیم ۱۹۱۴ء۔۱۹۱۸ء

پہلی جنگِ عظیم کے دوران برطانوی مقبوضہ ہند سے کل پندرہ لاکھ (۱۵،۰۰،۰۰۰) فوج گئی اور جنگ میں برطانیہ کی مدد کے لیے کل ۴۷۹ ملین پاؤنڈ ٹیکس اور چندہ جمع ہوا۔ ان پندرہ لاکھ فوجیوں میں لڑاکا کردار ادا کرنے والوں کی تعداد چھ لاکھ تراسی ہزار ایک سو انچاس (۶،۸۳،۱۴۹) تھی اور اس تعداد کا ساٹھ فیصد حصہ پنجاب نے فراہم کیا تھا۔ اسی طرح زرِمال میں سے بھی نو کروڑ اکیس لاکھ اٹھارہ ہزار چھ سو چونسٹھ (۹،۲۱،۱۸،۶۶۴) روپے پنجاب نے ادا کیے تھے۔

جنگ کے آغاز میں ہندوستان کی برطانوی حکومت نے مرکزی حکومت کو پیغام دیا کہ ہم دو پیادہ ڈویژن اور ایک گھڑ سوار بریگیڈ فراہم کر سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ کی صورت میں یہاں ہند میں ہماری قوت کمزور پڑ جائے گی۔ ہندی شاہی فوج کی اس وقت تعداد ڈیڑھ لاکھ تھی۔

۱۹۱۴ء میں جب 'برطانوی وار آفس' نے فوج کا مطالبہ کیا تو لاہور اور میرٹھ کی دو ڈویژن روانہ کر دی گئیں۔ اس کے علاوہ کچھ فوج افریقہ اور زنجبار میں جرمن فوج کے خلاف بھیجی گئی تاکہ 'ممباسا' اور 'نیروبی' کے درمیان بچھی ریلوے لائن کی حفاظت کی جا سکے۔ برطانیہ کی اپنی فوج چونکہ یورپ میں

مصروف تھی، اس لیے نہر سویز اور عراق کے تیل کے کنوؤں کو خلافتِ عثمانیہ کے فوجی حملوں سے بچانے کے لیے ہندوستان سے مزید دو ڈویژن فوج روانہ کی گئی۔ یوں جون ۱۹۱۵ء تک ہندوستان کے اسی ہزار (۸۰۰۰۰) فوجی جنگ میں اتر چکے تھے۔ بوجھ مزید بڑھا تو بیس مزید کمپنیاں فوری طور پر بنانے کا فیصلہ ہوا۔ فرانس میں لڑائی کے دوران لاہور کی ڈویژن میں شامل فیروزپور اور جالندھر کی بریگیڈ پہلے چند ہفتوں میں ماری جا چکی تھی۔ ستاون رائفلز اور انیتس بلوچ رجمنٹ سب سے پہلے جرمنوں سے ٹکرائی اور ایک ہفتے کے اندر اندر ایک کے دو سو نوے (۲۹۰) اور دوسری کے دو سو پینتیس (۲۳۵) نفر مارے گئے جبکہ دونوں کی کل تعداد ۵۰۷ تھی۔ دوسری لڑائی 'وائپرس' میں اپریل ۱۹۱۵ء میں ہوئی۔ جرمنی نے زہریلی گیس استعمال کر کے لاہور ڈویژن کے تیس فیصد سپاہی (۳۸۸۹ سپاہی) ایک رات میں مار دیے۔ اسی طرح بغداد کے قریب عثمانی فوجوں سے لڑتے ہوئے گیلی پولی اور قوت الامارہ میں بھی ہندوستانی فوجیوں کو خاصی مار پڑی۔[16]

جنگ کے آغاز میں کل ۶۹ رجمنٹیں بھیجی گئی تھیں جن میں ۴۱ پنجابی تھیں۔ ۱۹۱۴ء کے آخری مہینوں میں اٹھائیس ہزار (۲۸۰۰۰) مزید بھرتیاں ہوئیں جن کا نصف پنجاب نے فراہم کیا۔ نیز جولائی ۱۹۱۵ء تک بھرتیوں کی کل تعداد بڑھ کر چھہتر ہزار دو سو بتیس (۷۶۲۳۲) ہو گئی جن میں سے سینتیس ہزار پانچ سو اکانوے (۳۷۵۹۱) بھرتیاں پنجاب سے تھیں۔ جنگ کے آغاز میں بھرتیوں میں بڑا جوش و خروش دیکھنے کو ملا جس کی وجہ تنخواہ کے علاوہ بونس، بیرونِ ملک سفر کا لالچ اور جنگ کی وجہ سے معاشی بحران اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی مہنگائی تھی۔ لیکن آہستہ آہستہ یہ جذبہ کچھ کم ہونا شروع ہو گیا کیونکہ 'وائپرس' اور 'نیو چیپلی' میں جرمنوں سے واسطہ پڑا جو بھاری اسلحے سے لیس تھے جبکہ ہندوستانیوں نے ایسی جنگ اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی۔ اس لیے جذبہ ٹھنڈا پڑنے لگا اور محاذ

---

[16] تفصیل کے لیے دیکھیے: Indian Army and The King's Enemies by Chaoles Chenevix Trench

برطانیہ کا کلمہ بلند کرتے ہوئے جان دینے والے بھی آج تک فوج کی ثقافت میں عزت و تکریم کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ تبھی تو آج تک ان فی سبیل الشیطان مرنے والے شہداء کے جنگی کارناموں کا تذکرہ فوج کی ہر قدیم یونٹ کی تاریخ میں لکھا جاتا ہے اور ان کی یادگاروں کو آج تک فوج کے مختلف میس اور میوزیم میں محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ 'ہماری' فوج میں دینی فہم کتنا راسخ ہے، انہیں جہاد کے مقاصد کا کتنا گہرا علم اور شہید کی شرعی تعریف کا کیسا واضح تصور ان کے یہاں موجود ہے! (مترجم)

سے فوجیوں کے مایوسی بھرے خطوط آنا شروع ہو گئے۔ بعض خطوط میں الزام لگا کہ گورے خود پیچھے بیٹھے رہتے ہیں اور ہندوستانیوں کو مروا رہے ہیں۔[17]

## سول انتظامیہ کو فوج کے تابع بنانے کا نکتہ ءآغاز

حالات بگڑنے کے سبب مزید فوج کی ضرورت برابر بڑھتی جارہی تھی، ساتھ ہی تاجِ برطانیہ کو یہ احساس ہو گیا کہ جوش و خروش ٹھنڈا پڑ جانے کے بعد سول انتظامیہ کے تعاون کے بغیر مطلوبہ تعداد میں بھرتیاں ناممکن ہیں۔ چنانچہ پنڈی کے کمشنر لیفٹیننٹ جنرل 'فرینک پوفیم ینگ' کے مشورے پر ضلعی سطح پر سول بھرتی افسران تعینات کیے گئے۔ ۱۹۱۶ء میں ہندوستان کے وائسرائے لارڈ 'کیلمس فورڈ' (Chelmsford) نے سول انتظامیہ کو حکم دیا کہ وہ رنگروٹوں کی بھرتی کے سلسلے میں فوج کا پورا پورا ساتھ دے۔ پنجاب کے انگریز گورنر 'اے ڈوائر' نے اس حکم کو فوری قبول کیا۔ بھرتی کا نیا نظام متعارف کرایا گیا اور بھرتی کا دائرہ فوجی نسلوں سے باہر بھی بڑھادیا گیا۔ دہلی میں سول انتظامیہ کے تحت مرکزی بھرتی بورڈ بنایا گیا اور پورے ہندوستان میں بھرتی کا کنڑول اس کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔ اس بورڈ میں ایڈجونٹ جنرل، وائسرائے کونسل کا مشیرِ مالیات، فوجی شعبے کا سیکرٹری، گورنر پنجاب اور دو ہندوستانی راجے شامل تھے۔ بھرتی کے پرانے نسلی نظام (Class System) کی جگہ بھرتی کا نیا علاقائی نظام (Territorial System) متعارف کرایا گیا۔ ضلع کی سطح پر بھرتی دفتر بنائے گئے جس کا سربراہ عموماً انگریزی بولنے والا مقامی سول افسر ہوتا۔ اس کے اوپر ڈویژن کی سطح پر ایک افسر ہوتا جو بورڈ کو جوابدہ ہوتا۔ اس سے شاہی ہندی فوج کو یہ فائدہ ہوا کہ عوام تک براہِ راست رسائی کا حامل 'سِوَل نظام' براہِ راست فوج کے مفاد کے لیے استعمال ہونے لگا۔ پنجاب کے تمام اٹھائیس اضلاع میں بھرتیاں شروع ہو گئیں۔ ۱۹۱۷ء کے اختتام تک بائیس نئی پنجابی قوموں سے بھی فوج میں بھرتیاں کی گئیں۔ جون ۱۹۱۷ء تک اسی نظام کو مزید بہتر بنانے کے لیے لاہور میں صوبائی بھرتی بورڈ بنایا گیا جس کا صدر پنجاب کے گورنر کو بنایا گیا اور ممبران میں کمشنر برائے مالیات، ڈویژنوں کے کمشنر، ضلعی بھرتی

---

[17] ۱۲ سال تک امریکہ کی جنگ لڑنے کے بعد آج پاکستانی فوج کی قیادت بھی بعینہ یہی رونا رو رہی ہے کہ ہم نے 'دنیا والوں کی خاطر' اتنی زیادہ قربانیاں دی ہیں، مگر ہماری قربانیوں کی قدر کرنے اور ہمارا ساتھ دینے کی بجائے ہمیں 'دہشت گردوں' کے مقابلے پر تنہا چھوڑا جارہا ہے اور ہمارے خلاف جھوٹا پراپگنڈہ کیا جارہا ہے۔ (مترجم)

افسران، کچھ نمایاں جاگیر دار اور قوموں کے کچھ سردار مثلاً خان بہادر ملک محمد امیر خان آف شمس آباد، خان بہادر سیّد مہدی شاہ آف گوجرہ، سر ملک عمر حیات خان ٹوانہ آف کالڑہ شامل تھے۔

یہ سول نظام تحصیلدار، ذیلدار، لمبردار کے ذریعے معاشرے کے عین قلب تک رسائی رکھتا تھا۔ اس پورے نظام کو بھرتی اور محصول کی وصولی کے لیے حرکت میں لایا گیا۔ ساتھ ہی ان تینوں سطحوں پر کام کرنے والے افسران کو دھمکی دی گئی کہ مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہونے کی صورت میں ان کی چھٹی کروا دی جائے گی۔ بیواؤں وغیرہ کے مسائل سے نمٹنے کے لیے فوجی فلاحی پنچائیتیں بنائی گئیں جنھوں نے متاثرہ خاندانوں میں رقوم اور زمینیں تقسیم کیں۔ پنجاب حکومت نے اسی مقصد کے لیے شاہی ہندی فوج کے کمانڈر اِنچیف کو ایک لاکھ اسّی ہزار ایکڑ زمین پیش کی تاکہ وہ فوجیوں میں بانٹی جاسکے۔ مزید پندرہ ہزار ایکڑ ان لوگوں کو بطور رشوت دیے گئے جو بھرتیوں کے کام میں چستی دکھا رہے تھے۔ ۱۹۱۷ء کے وسط میں رنگروٹ بھرتی ہونے پر پچاس روپے کا بونس بھی مقرر کر دیا گیا۔ یوں بھرتی کے نظام کو ہر قیمت پر فعال رکھا گیا۔[18]

## پنجاب کے جاگیردار، جاگیردار کیسے بنے؟

۱۹۱۸ء میں جنگ کے اختتامی مراحل تک تنہا پنجاب سے تقریباً دو لاکھ فوجی بھرتی ہو چکے تھے، حالانکہ جنگ کے آغاز میں شاہی ہندی فوج کی کل تعداد محض ڈیڑھ لاکھ تھی۔ پنجاب کے انگریز گورنر کا مؤقف تھا کہ بھرتیاں جاری رکھنے کے لیے مغربی پنجاب کے جاگیرداروں اور قبائلی سرداروں، مشرق کے پیر صاحبان اور قوم کے بڑوں کو ہاتھ میں رکھنا لازم ہے۔

گورنر کے اس مؤقف کو سمجھنے کے لیے یہ مثال کافی ہے۔

دہلی سے برطانوی سرکار کا حکم آیا کہ بغداد میں عثمانیوں کے خلاف ساڑھے تین ہزار گدھوں، نیز اونٹ چرانے والے افراد کی ضرورت ہے۔ حکومتِ پنجاب نے یہ کام ملک خدا بخش ٹوانہ، شیخ نجم الدین،

---

[18] یہ فوج اور سول بیوروکریسی کے گٹھ جوڑ کا نکتہء آغاز تھا۔ اس کے بعد سے جب کبھی برطانوی سرکار کو خطرہ ہوا ان دونوں اداروں نے مل کر سرکار کا دفاع کیا۔ پھر انگریز کے جانے کے بعد، جب جب انگریز کے چھوڑے ہوئے اس نظام کو خطرہ لاحق ہوا، سول بیوروکریسی اسی طرح فوج کے تابع ہو کر 'ریاست کی رٹ کی بحالی' میں جت گئی۔ گویا اس نظام کو تشکیل ہی اس طرح دیا گیا ہے کہ اس میں فوج اصل اور باقی ادارے اس کی فرع ہیں؛ نیز یہ سب ادارے اس فرنگی نظام کی حفاظت (نہ کہ اسلام یا پھر عوام کی حفاظت) پر متفق ہیں۔ (مترجم)

خان صاحب محمد ظفر خان اور لالہ رام چند کے ذمّے لگایا کہ وہ اپنے روابط استعمال کر کے مطلوبہ تعداد فراہم کریں۔ ان لوگوں نے ایک ہفتے کے اندر اندر ساڑھے آٹھ ہزار بندے فراہم کر دیئے۔ (اس قسم کی خدمات دینے کا آغاز شاہ پور کے ملک فتح شیر خان نے پہلی انگریز سکھ جنگ کے دوران کیا تھا۔ اس نے انگریزوں کو چار سو گھڑ سوار فراہم کیے تھے۔) ان بڑے سرداروں کو ان کی خدمت کے عوض فوج میں براہِ راست اعزازی کمیشن دیے گئے، بعض کو اعزازی طور پر مجسٹریٹ بنا دیا گیا اور ان میں زمینیں بھی تقسیم کی گئیں۔

انگریز کو خدمات فراہم کرنے کی ایک نمایاں مثال شاہ پور کے مٹھہ ٹوانوں نے قائم کی۔ ان کے بڑے، ملک صاحب خان بہادر کو نو ہزار ایکڑ زمین کا لڑے میں دی گئی اور تاحیات بارہ سو کی جاگیر سے نوازا گیا کیونکہ اس نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں انگریز سرکار کی مدد کی تھی۔ انعام ملنے پر خان بہادر نے ذاتی نہر کھدوائی اور علاقے کا بڑا وڈیرہ بن گیا۔ ۱۸۷۹ء میں خان بہادر کی موت واقع ہوئی تو اس کا بیٹا عمر حیات خان ٹوانہ ابھی نابالغ تھا۔ اس کے بڑے ہونے تک Court of Wards نے اس کی ساری جاگیر کی دیکھ بال کی اور عمر حیات کے بڑے ہونے پر اس کے حوالے کی۔ ۱۹۰۳ء میں عمر حیات خان کو اٹھارہویں ٹوانہ لانسرز میں اعزازی لیفٹیننٹ بنا دیا گیا۔ تین سال بعد اسے پنجاب کی قانون ساز کونسل کا رکن بنایا گیا۔ ۱۹۱۰ء میں اسے وائسرائے کی قانون ساز کونسل کا رکن بنایا گیا اور ساتھ ہی ذیلدار اور مجسٹریٹ کا اعزازی عہدہ بخشا گیا۔ اسی کے رشتہ دار نواب خدا بخش ٹوانہ نے اپنے ہر مزارع کے لیے پچیس روپے کے بونس اور نہری پانی کے نرخوں میں کمی کا اعلان کیا اور جنگ کے آغاز میں پانچ سو افراد مہیا کیے۔

فرانس جانے والے پہلے دستے میں عمر حیات ٹوانہ خود موجود تھا۔ پھر اسے بغداد بھیجا گیا جہاں مسلمان فوجیوں کو مطمئن رکھنے کا کام اس کے ذمّے لگایا گیا۔ اس کے بعد اسے میجر کے اعزازی عہدے سے نوازا گیا اور ساتھ ہی بھرتی افسر کا اعزازی عہدہ بھی ملا۔ دو سو افراد تو اس نے خود اپنی زمین سے بھیجے تاکہ وہ خلافتِ عثمانیہ کے خلاف جنگ میں شریک ہوں۔

جدول ۴: پہلی جنگِ عظیم کے دوران پنجاب میں تقسیم کردہ انعامات[19]

| ضلع | خطابات | اعزازی تلوار | جاگیر (روپے) | زمینیں (مربع) |
|---|---|---|---|---|
| لاہور | 39 | 3 | 1,000 | 101 |
| سیالکوٹ | 4 | - | 250 | 83 |
| گوجرانوالہ | 6 | 1 | 1,000 | 115 |
| گجرات | 5 | 3 | 250 | 72 |
| شاہ پور | 16 | 11 | 200 | 191 |
| جہلم | 17 | 6 | 500 | 157 |
| راولپنڈی | 18 | 6 | 1,750 | 118 |
| اٹک | 7 | 7 | 1,500 | 171 |
| میانوالی | 4 | 1 | 500 | 97 |
| منٹگمری (ساہیوال) | 1 | - | - | 30 |
| لائلپور (فیصل آباد) | 10 | 2 | 750 | 15 |
| جھنگ | 3 | - | - | 17 |
| ملتان | 9 | 2 | 500 | 78 |
| مظفر گڑھ | 3 | - | 500 | 101 |
| ڈیرہ غازی خان | 10 | 1 | - | 207 |

وڈیروں کے ساتھ ساتھ پنجاب میں ایک بڑا کردار پیروں اور سجادہ نشینوں کا بھی رہا، یہ لوگ بیک وقت پیر بھی تھے، سرکاری عہدیدار بھی اور زمیندار بھی۔ اٹک کے پیر غلام عباس کھڈ نے چار ہزار مریدوں کو شاہی فوج میں بھرتی کرایا۔ جنگ کے بعد ان لوگوں میں ان کی کارکردگی کے مطابق جاگیریں اور میڈل تقسیم ہوئے اور انھیں خطابات سے نوازا گیا۔ اس ضمن میں خدا بخش ٹوانے کو ۴۱۵ ایکڑ زمین بخشش ہوئی۔

[19] ان اعداد و شمار کا ماخذ: M. S. Leigh, Punjab and the War, p 74-140

اس سارے عمل کے نتیجے میں ایک نیا جاگیر دار طبقہ وجود میں آیا جو پوری طرح تاجِ برطانیہ کا وفادار تھا اور جس نے پنجاب پر فرنگی کی گرفت کو مضبوط تر کر دیا۔ یہی لوگ پنجاب کی دیہی فوجی اشرافیہ کہلائے۔[20]

**جدول۵: پنجاب میں ضلعی سطح پر بھرتیوں کی تعداد، اگست ۱۹۱۴ء سے نومبر ۱۹۱۸ء**[21]

| ضلع | جنگ کے دوران اندراج کرانے والوں کی تعداد |
|---|---|
| راولپنڈی | 31,291 |
| جہلم | 27,743 |
| گجرات | 22,071 |
| اٹک | 14,815 |
| شاہ پور | 14,040 |
| سیالکوٹ | 13,376 |
| گوجرانوالہ | 12,618 |
| لاہور | 10,054 |
| لائلپور (فیصل آباد) | 6,507 |
| ملتان | 4,636 |
| میانوالی | 4,242 |
| منٹگمری (ساہیوال) | 2,813 |
| مظفر گڑھ | 2,018 |
| ڈیرہ غازی خان | 1,012 |
| جھنگ | 946 |

[20] گویا ان خاندانوں کو جاگیریں ان کی فوجی خدمات کے صلے میں دی گئیں۔ لہٰذا ان جاگیر دار سیاسی خاندانوں کو فوج سے بالکل جدا کوئی الگ طبقہ سمجھنا مناسب نہیں۔ یہ ایک ہی طبقے کے مختلف چہرے ہیں، جس کے مفادات اس نظام سے وابستہ ہیں۔ (مترجم)

[21] اعداد و شمار کا ماخذ: M. S. Leigh, Punjab and the War, p 59-60

## پنجاب کی ایک نیم فوجی ریاست میں تبدیلی!

۱۹۱۷ء میں ملیریا کی وبا پھیلی، جس کی زد میں آنے والے بیشتر افراد کی عمریں فوج میں بھرتی کے لیے درکار حد میں تھیں۔ اس سے متصل ہی طاعون کی وبا پھوٹ پڑی جس کی وجہ سے کچھ مہینوں کے لیے بھرتی رک گئی۔ لیکن جب جنگ نے مزید ایندھن کا مطالبہ کیا تو انگریز نے جبری بھرتی کا آغاز کیا۔ نتیجتاً ملتان، مظفر گڑھ، شاہ پور اور جہلم کے دیہاتوں میں جھگڑے پھوٹ پڑے۔ شاہ پور کے اعوانوں نے بھرتی نہ ہونے اور دوسروں کو بھی اس سے منع کرنے کا عہد کر لیا، لیکن قوموں کے مذکورہ بالا وڈیروں نے اس بغاوت کو ٹھنڈا کیا اور حالات کو سنبھال کر انگریز کے حق میں پھیر دیا۔ اس موقع پر صورتِ حال کو قابو کرنے کے لیے ٹوانوں نے انگریز کو اپنے گھڑ سوار بھی فراہم کیے۔

اپریل ۱۹۱۸ء سے جون ۱۹۱۸ء تک بھرتی رکی رہی۔ جون میں جرمنی فرانس پر ایک بھرپور حملہ کرنے جا رہا تھا۔ اس سے دفاع کے لیے تاجِ برطانیہ کو فوری طور پر پورے ہندوستان سے پانچ لاکھ نفر درکار تھے، جن میں ایک لاکھ اسّی ہزار (۱۸۰۰۰۰) لڑاکے ہونے چاہیے تھے۔ تاہم پنجاب سے محض بیس ہزار مہیا ہو پائے۔ انگریز کے لیے واحد طریقہ یہ رہ گیا کہ قوموں کے بڑوں کو مزید اعتماد میں لیا جائے۔ واہ کے سکندر حیات خان، شاہ پور کے عمر حیات خان اور گوجرانوالہ کے صوبہ دار پال سنگھ کو ستمبر ۱۹۱۸ء میں اعزازاً بھرتی افسر مقرر کیا گیا۔ دو ماہ بعد پنڈی کے ملک سردار خان اور اعزازی کپتان عجب خان آف اٹک کو بھی اعزازی بھرتی افسر بنا دیا گیا۔ ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال میں لاتے ہوئے ۱۹۱۸ء کے اپریل سے اکتوبر کے درمیان ستتر ہزار سات سو چھبیس (۷۷۷۲۸) بھرتیاں ہو گئیں۔ قریب تھا کہ بھرتیوں کے اس لامتناہی سلسلے سے حالات پھٹ پڑیں لیکن جنگِ عظیم ختم ہو گئی۔ جنگ کے اختتام تک پنجاب کے ہر چھبیس بندوں میں سے ایک بندہ جنگ میں شریک ہو چکا تھا۔

اس پورے عرصے نے فوج کی تابع سول انتظامیہ کو جنم دیا اور پنجاب کا معاشرہ فوجی ضرورتوں کو پورا کرنے والی ایک مشین کی حیثیت اختیار کر گیا۔ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ پہلی جنگِ عظیم نے پنجاب کو

ایک نیم فوجی ریاست میں تبدیل کر دیا اور پنجاب کی یہ حیثیت تا حال قائم ہے۔[22]

## جنگِ عظیم اول کے بعد کا بحران

اس جنگ کے نتیجے میں برصغیر سمیت تاجِ برطانیہ کی مجموعی معیشت بیٹھ گئی۔ مہنگائی میں اضافہ ہو گیا، آٹا ۷۴ فیصد مہنگا، یورپی کپڑا ۱۷۵ فیصد، مقامی کپڑا ۱۰۰ فیصد مہنگا، چینی ۶۵ فیصد مہنگی ہو گئی۔ ساتھ ہی نزلے کا وائرس پھیل گیا جس سے صرف پنجاب میں اڑھائی لاکھ لوگ مر گئے۔[23] جنگ سے واپسی پر عارضی طور پر بھرتی کیے گئے افراد کو فوری طور پر فارغ کر دیا گیا اور ان کو مراعات بھی ان کی توقع سے کم ملیں۔ مشکل وقت گزار لینے کے بعد اب کوئی فوجی بھی فوج نہیں چھوڑنا چاہ رہا تھا۔ لہٰذا نکالے جانے پر احتجاج شروع ہو گیا۔ بعض ایسے واقعات بھی ہوئے کہ فوجیوں سے جوتے، کپڑے واپس لے کر کہا گیا کہ چوبیس گھنٹوں میں چھاؤنی سے نکل جائیں ورنہ پولیس کو بلایا جائے گا۔ عمر حیات خان ٹوانہ نے فوجیوں کی طرف سے یہ شکوہ جی او سی لاہور کو جمع کرایا۔ زمینوں کے جتنے وعدے کیے گئے تھے، ان کے مطابق زمین کم پڑ گئی۔ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے گاندھی نے پورے ہندوستان میں مظاہروں کا آغاز کرا دیا۔ پنجاب کے پانچ شہروں؛ امرتسر، لاہور، گوجرانوالہ، گجرات اور لائلپور میں ایک نیا آمدن ٹیکس نافذ کیا گیا جس کے خلاف بھی ردعمل سامنے آیا۔ شروع میں باقی پنجاب ان مظاہروں سے کٹا ہوا تھا لیکن جلیانوالہ باغ (اپریل ۱۹۱۹ء) میں پولیس اور فوج کے ہاتھوں تین سو افراد کی ہلاکت کے بعد پورے پنجاب میں توڑ پھوڑ شروع ہو گئی اور تحریک نے اتنا زور پکڑا کہ کئی جگہ پر فوجیوں نے بھی فائرنگ کے احکامات پر عمل سے انکار کر دیا۔ مسئلے سے نمٹنے کے لیے 'پنجاب سولجر بورڈ' سے رجوع کیا گیا جو اسی سال جنوری میں تشکیل دیا گیا تھا۔ یہ ایک سول فوجی مشترکہ ادارہ تھا جس کا اصل مقصد جنگ سے واپس آئے فوجیوں کے مسائل حل کرنا تھا۔ اس بورڈ میں بھی انگریزوں کے علاوہ عمر حیات خان ٹوانہ، سکندر

---

22 جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے، یہ کتاب ایک تاریخی تجزیہ پیش کرتی ہے، شرعی احکامات بیان نہیں کرتی۔ اس لیے ایسے کسی تجزیے سے کسی پوری قوم کو عسکری طور پر نشانہ بنانے کا جواز اخذ کرنا یا صالح اور غیر صالح افراد کی تفریق کیے بغیر سب کو اپنا دشمن تصور کر لینا جائز نہ ہو گا اور نہ ہی یہ ہمارا مقصود ہے۔ (مترجم)

23 اللہ کے دشمنوں سے دوستی اور اللہ کے مومن بندوں سے دشمنی پر اللہ تعالیٰ اکثر ہی آخرت سے قبل دنیا میں سزا دیتے ہیں۔ کل بھی برطانیہ کی جنگ لڑنے کے نتیجہ میں بربادی و ذلت ہاتھ آئی اور آج بھی امریکہ کی جنگ لڑ کر یہی مصائب و مسائل دیکھنے پڑ رہے ہیں۔ یقیناً اس میں نشانیاں ہیں عقل رکھنے والوں کے لیے! (مترجم)

حیات خان اور مہدی شاہ آف گوجرہ شامل تھے۔ بھرتی کے لحاظ سے اہم علاقوں میں لوگوں کو ٹھنڈا رکھنے کا کام بھی اسی بورڈ کو سونپا گیا۔اس بورڈ کے بعض فوری اقدامات (مثلاً فوجیوں کی بیواؤں کے لیے پانچ روپے سالانہ امداد کا اعلان) کی وجہ سے حالات کچھ حد تک پر سکون ہو گئے۔

### تحریکِ خلافت

دریں اثناء ۱۹۲۰ء میں تحریکِ خلافت شروع ہو گئی۔ مسلمان علماء فوجیوں کو نوکریاں چھوڑنے پر ابھارنے لگے، ترکوں کے خلاف لڑنے والوں کو برا بھلا کہا جانے لگا......ایک موقع پر تو یوں محسوس ہوا کہ یہ مہم کامیاب ہو جائے گی کیونکہ حکومتِ برطانیہ اس قابل نہ تھی کہ مسجد کی بنیادی سطح پر اس مہم کا مقابلہ کر سکے۔ لیکن منصوبہ سازی کے بعد پنجاب کی سول و فوجی انتظامیہ نے جوابی پروپیگنڈا پروگرام شروع کیا جس کا مرکز فوجی بھرتی والے علاقے تھے۔ ریٹائرڈ مقامی افسران پر مشتمل تنظیمیں بنائی گئیں، فوج کی اپنی بیرکوں میں پروپیگنڈا تیز کیا گیا، فوجی افسران نے کمشنر و دیگر سول افسران کے ساتھ مل کر دیہاتوں کے دورے کیے، پمفلٹ بانٹے اور مضامین لکھے، بعض سرکاری مولویوں سے فوج کی نوکری کے جواز کے فتوے لیے گئے اور تشہیر کرنے کے لیے 'پنجاب تشہیری کمیٹی' وجود میں آئی۔اس ساری مہم کو منظم کرنے کے لیے 'پنجاب ضلعی فوجی بورڈ' بنایا گیا جس کے تمام اراکین حاضر سروس یا ریٹائر فوجی تھے۔ یہ بورڈ ہمہ گیر قسم کا کام کرتا تھا جس سے مقصود 'فوجی معاشرے' کو باہم مربوط و منظم کرنا تھا۔[24] اس بورڈ نے انگریزوں کا مسئلہ حل کر دیا۔ فوج سے منسلک تمام افراد کے مسائل اس کے ذریعے حل ہونے لگے۔ گویا یہ بورڈ فوجیوں کے لیے ماں کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ نتیجتاً پنجاب کا سول فوجی باہمی تعاون کا نظام مزید مضبوط ہو گیا۔ کوئی بھی بندہ اگر تاجِ برطانیہ سے اپنی وفاداری ترک کرنے کی کوشش کرتا تو اس کی مخبری کی جاتی اور اسے یاد دلایا جاتا کہ اس کے پاس موجود تمام مراعات گوروں سے وفاداری کے نتیجے میں ہیں۔ ۱۹۲۷ء تک اس طرح کے چھبیس ضلعی بورڈ بن چکے تھے جن کی ذیلی شاخوں کی تعداد سینکڑوں تک جا پہنچی تھی۔[25]

---

[24] آج اس سے ملتا جلتا کام 'آرمی ویلفئیر سوسائٹی' جیسے ادارے کرتے ہیں۔(مترجم)

[25] اگرچہ تحریکِ خلافت اپنے مطلوبہ نتائج نہ دے سکی، لیکن انگریز کو پنجاب کے دیہاتوں اور بالخصوص جنگجو نسلوں والے علاقوں میں علماء کی دعوت پھیلنے اور بغاوت کے جذبے بیدار ہونے سے جو تکلیف ہوئی اور اس کے خلاف جیسے سنجیدہ جوابی اقدامات

## کانگریس کی سول نافرمانی تحریک

جنگِ عظیم اوّل کے بعد اس پورے عرصے میں تحریکِ خلافت اور سکھوں کی غدر موومنٹ، کرتی کسان پارٹی، بھارتی نوجوان سبھا، اکالی سکھ موومنٹ جیسی تحریکوں نے حکومت کو مسلسل دباؤ میں رکھا تھا۔ ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۲ء کانگرس نے بھی سول نافرمانی کی تحریک شروع کی لیکن اس کے عروج کے دور میں بھی پنجاب کے دیہی علاقے غیر متاثر نظر آئے۔ شہری علاقوں میں بھی بس اس حد تک اثر پڑا کہ کہیں کہیں حکومت مخالف جھنڈا نظر آجاتا یا کبھی کبھار حکومت کے خلاف کوئی تقریر سنائی دے جاتی۔ دیہی علاقوں میں تو بالکل بدنظمی نہیں ہوئی اور پنجاب اپنے ٹیکس بھی باقاعدگی سے ادا کرتا رہا۔

کانگرس کی اپیل کے ان علاقوں میں غیر مؤثر رہنے کی دیگر وجوہات دیکھی جائیں تو متعدد اسباب سامنے آتے ہیں:

- ایک سبب یہ سامنے آتا ہے کہ گاندھی کا تعلق پڑھے لکھے طبقے سے تھا، اسی لیے یہ تحریک شہری علاقوں میں زیادہ متحرک تھی۔
- اس کے علاوہ مسلمانوں میں یہ تاثر بھی موجود تھا کہ تحریکِ خلافت کے وقت ہندوؤں نے مسلمانوں کو استعمال کیا اور اسی لیے وہ ایک ہندو قائد کی بات کو شک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔
- اس سب پر مستزاد یہ کہ پنجاب کے دیہی علاقے معاشی طور پر کلیتاً فوج پر انحصار کر رہے تھے۔ اس دوران فوج نے ان علاقوں میں بعض ترقیاتی کام بھی کیے تھے جس کی وجہ سے یہ خطے معاشی طور پر باقی ہندوستان سے بہتر ہو چکے تھے اور لوگوں کے مسائل بھی ضلعی فوجی بورڈ کے ذریعے حل ہو رہے تھے۔ ان سب وجوہات نے مل کر پنجاب میں کانگریس کی تحریک کو بے اثر کر دیا۔

## اکالی سکھوں کی تحریک

پنجاب میں سب سے مؤثر تحریک اکالی سکھوں کی رہی۔ یہ ایک دیہی تحریک تھی جو ۱۹۲۰ء کے عرصہ میں عروج پر تھی۔ سکھوں میں بنیادی طور پر دو فرقے پائے جاتے تھے؛ سہاج دھاری سکھ اور کیس دھاری سکھ۔ سہاج دھاری سکھ شکل و صورت کے اعتبار سے ہندوؤں ہی کی طرح تھے، محض

---

انگریز نے اٹھائے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان علاقوں میں دعوتی کام مضبوط ہونے سے اس نظام کو کتنی تکلیف پہنچتی ہے اور ہمارے لیے ان خطوں پر توجہ دینا کس قدر اہم ہے! (مترجم)

عقائد کا فرق تھا، بلکہ یہ ہندوؤں کے مذہبی تہواروں میں بھی شرکت کرتے تھے۔ جبکہ کیس دھاری سکھ گرو گوبند سنگھ کے پیرو ہیں، جس نے ظاہری شکل وصورت میں بھی سکھوں کی علیحدہ شناخت کی تحریک چلائی۔ لہٰذا کیس دھاری سکھ سر کے بال نہیں کٹواتے اور داڑھی رکھتے ہیں، اسی طرح دیگر شناختی علامات، کڑا، کرپان وغیرہ بھی پہنتے ہیں۔ مسلمانوں کے پنجاب پر حملوں کے دوران کیس دھاری سکھ زیادہ متاثر ہوتے رہے اور انھیں اپنے علاقے بھی چھوڑنے پڑے۔ اس کی وجہ سے گوردواروں کے مجاور (مہنت) اور گرنتھی (سکھوں کی مذہبی کتاب گرنتھ کے عالم) سہاج دھاریوں میں تھے اور انھوں نے ان عہدوں کو وراثتی شکل دے دی تھی۔ ویسے بھی سکھ دورِ حکومت میں نذرانوں کی کثرت اور گوردواروں سے ملحقہ جاگیروں کی وجہ سے یہ مذہبی عہدے سنبھالنا ایک منافع بخش کاروبار بن گیا تھا۔ مذہبی معاملات سہاج دھاریوں کے ہاتھ میں ہونے ہی کا نتیجہ تھا کہ معاشرے میں ہندو اور سکھ گھل مل کر رہتے تھے۔

پنجاب پر انگریز کے قبضے کے بعد جب عیسائیوں کی مشنری سرگرمیاں بہت بڑھ گئیں تو ہندو اور سکھ ہر دو کو اپنے مذہب کے تحفظ کی فکر ہوئی۔ اسی مقصد کی خاطر ۱۸۷۵ء، لاہور میں آریا سماج موومنٹ کی بنیاد ڈالی گئی۔ ابتداء میں ہندو اور سکھ دونوں اس تحریک میں شامل تھے لیکن جب ہندوؤں کی تعداد بڑھی تو ۱۹۰۰ء میں انھوں نے سر اور چہرے منڈوا کر سکھوں سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ اس پر سکھوں میں شدید ردِ عمل پیدا ہوا اور انھیں اپنے ذاتی تشخص کی فکر لاحق ہوئی۔ لہٰذا سکھوں کی طرف سے ایسے مضامین لکھے جانے لگے جو ہندوؤں سے بالکلیہ علیحدگی کی دعوت دے رہے تھے۔ سہاج دھاری سکھوں سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ ہندوؤں کے طور طریقوں کو ترک کریں۔ اس دعوت نے ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی، پنجاب بھر میں سکھوں کے آزاد جتھے بن گئے جو انگریز حکومت، ہندو اور سہاج دھاری تینوں کے خلاف تھی۔ ان جتھوں کا آپس میں اتحاد ہوا جسے 'شرومانی اکالی دل' کا نام دیا گیا۔ اس تحریک کا بنیادی نعرہ یہ تھا کہ ''ہم ہندو نہیں ہیں''! اس تحریک نے مطالبہ کیا کہ ان کے مقدس مقامات سے ہندو نما سکھوں یعنی سہاج دھاریوں کا قبضہ ختم کیا جائے۔ اکالی سکھوں نے نومبر ۱۹۲۰ء میں حسن ابدال میں واقع 'پنجہ صاحب' کے دربار پر قبضہ کر لیا، دسمبر میں 'سچا سودا گوردوارا' شیخوپورہ پر اور اس کے بعد امرتسر کے گوردوارے پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس مرحلے تک برطانوی حکومت اس پورے معاملے میں غیر جانبداری کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

گوردوارا 'ننکانہ صاحب' اکالیوں کا اگلا ہدف تھا۔ مہنتوں (یعنی سکھ مجاوروں نے جنہیں اکالی اصل سکھ نہیں مانتے تھے) نے سرحد سے سکھ پٹھانوں کو بلوایا اور اپنے دفاع کے لیے اسلحہ جمع کر لیا۔ بیس فروری ۱۹۲۱ء کو اکالیوں نے ننکانہ پر حملہ کیا لیکن محافظین کی تیاری کی وجہ سے یہ حملہ ناکام رہا۔ کئی اکالی مارے گئے اور مہنتوں نے ثبوت مٹانے کے لئے ان کی لاشیں جلا دیں۔ اس پر پانچ سو سے ہزار سکھ کرپانیں لے کر وہاں پہنچ گئے اور حکومت کو واقعہ کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ اس پر مذہبی مقامات کی ملکیت کے سلسلے میں ۱۹۲۱ء کا 'گوردوارا اور شرائن ایکٹ' زیرِ بحث آیا، لیکن اس قانون پر اتفاق نہ ہو پایا۔ سکھوں نے جب دیکھا کہ حکومت کچھ نہیں کر رہی تو اکالیوں نے قوت جمع کرنا شروع کر دی۔

۱۹۲۴ء میں 'میلکم ہیلی' پنجاب کا گورنر بنا۔ اس وقت چھوٹے چھوٹے جھگڑے تو جاری تھے لیکن کسی بڑی لڑائی کا سامنا نہ کرنا پڑا تھا۔ حکومت سکھ فوجیوں کے بارے میں پریشان تھی۔ گورنر نے فیصلہ کیا کہ نہ بہت سختی کی جائے اور نہ ہی سکھوں کے خلاف ہتھیار ڈالے جائیں۔ لٰہذا اعلانیہ تحریک پر پابندی لگا دی گئی لیکن اگر اکالی چھپ چھپا کر کوئی کام کرنا چاہتے تو انہیں روکا نہ جاتا تاہم قانون کی خلاف ورزی کرنے کی اجازت نہ دی گئی۔ ساتھ ہی انگریز نے اپنے حامی سکھوں کی مدد سے دیہاتوں میں 'سدھار' یا 'سیواک' کے نام سے اکالی مخالف تحریک بنانا شروع کر دی۔ اس تحریک میں ریٹائرڈ سکھ فوجیوں کو ڈالا گیا۔ ان تنظیموں نے پروپیگنڈا شروع کیا کہ انگریز ہمارے مذہب کو کچھ نہیں کہہ رہا، یہ اکالی ویسے ہی شور مچا رہے ہیں۔ آپ اپنے مسائل بتائیں، ہم انہیں حل کرا دیتے ہیں۔ آہستہ آہستہ سیواکوں کا اثر بڑھ گیا، سکھ بھی اس لمبی چپقلش سے تنگ آ چکے تھے۔ ۱۹۲۵ء میں 'سکھ گوردوارا اور شرائن ایکٹ' منظور ہو گیا اور گوردواروں کا انتظام ایک منتخب بورڈ کے حوالے کر دیا گیا جس سے اکالی تحریک کا زور ٹوٹ گیا۔

اکالی تحریک نے دو طرح سے برطانوی حکومت کو نقصان پہنچایا۔ ایک تو سکھ فوجیوں کی وفاداری کو خطرے میں ڈالا، دوسرا سکھ کسانوں کی اطاعت کو بھی متاثر کیا جس کی وجہ سے فوج میں سکھوں کی بھرتی کم ہوئی۔ ساتھ ہی سکھوں کی طرف سے ٹیکس کی وصولی میں بھی کمی واقع ہوئی۔ بہرحال اس ساری کشمکش نے ثابت کیا کہ عوامی وفاداری قائم رکھنے کے لیے فوج تنہا کام نہیں کر سکتی، اسے سویلین اداروں کی مدد درکار ہے۔

## پنجاب میں سیاسی عمل کا آغاز

پہلی جنگِ عظیم کے آخری عرصے (یعنی ۱۹۱۷ء میں) ہندوستان کے لیے برطانوی مشیر برائے ریاستی امور 'ایڈون مونٹاگو' نے برطانوی پارلیمان میں اعلان کیا کہ حکومتِ برطانیہ کا ارادہ ہے کہ اقتدار میں ہندوستانی لوگوں کو زیادہ شرکت دی جائے۔ ۱۹۱۷ء سے ۱۹۱۸ء کے دوران مونٹاگو اور 'کیلم فورڈ' نے ہندوستان کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا، مختلف نمائندہ طبقات سے ملاقاتیں کیں اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ لوگوں میں غلام ہونے کا احساس بڑھ رہا ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ وفاداریاں برقرار رکھنے کے لیے قوانین میں ترامیم کی جائیں اور ہندوستانیوں کو بھی اقتدار میں نمائندگی دی جائے۔ ان ترامیم کا خلاصہ یہ تھا کہ ریاست کے اہم شعبے برطانیہ کے ہاتھ میں رکھتے ہوئے مقامیوں کو اقتدار میں شریک کرنے کا آغاز کیا جائے۔ پنجاب کے گورنر 'اے ڈوائیر' نے ان تجاویز کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ یہ ایک ایسی قدم ہے جس کی نہ تو ضرورت ہے، نہ یہاں کے لوگ ایسا کوئی مطالبہ کر رہے ہیں اور نہ ہی اس قوم میں بغاوت کی طاقت ہے۔ اے ڈوائیر پنجاب کے پورے نظام اور معاشرے کو سمجھ چکا تھا اور وہ پنجاب کی دیہی جاگیردار اشرافیہ کی جگہ شہری اشرافیہ کو اوپر آتا نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ جب اس نے ہندوستان کی سطح پر آتی اس سیاسی تبدیلی کو روکنا ناممکن سمجھا تو اس نے صوبہ پنجاب کے لیے ایک خاص فارمولا وضع کیا۔ اس نے ایک چھوٹی قانون ساز اسمبلی بنانے کی تجویز دی جس میں سترہ نامزد اور باقی منتخب اراکین ہوں۔ منتخب نشستوں میں پچیس دیہی علاقوں اور صرف چھ شہری علاقوں سے رکھی گئیں، جبکہ دو نشستیں تاجروں اور صنعتکاروں کی اور ایک پنجاب یونیورسٹی کی مختص ہوئی۔ پچیس دیہی نشستوں میں سے چار نشستیں جاگیرداروں کے لیے مخصوص کی گئیں۔ ووٹوں میں ایک لاکھ اکسٹھ ہزار دیہی اور ستر ہزار شہری ووٹ تجویز کیے۔ ووٹ کے لیے جو شرائط رکھی گئیں، ان میں ٹیکس کی ادائیگی کی شرط تھی اور اس کا معیار اتنا اونچا رکھا کہ غریب آدمی ووٹ کا اہل ہی نہیں رہا۔ حاضر سروس اور ریٹائرڈ فوجیوں کو ووٹ کا حق دیا گیا۔ علاقے کے بڑوں اور نمایاں سول افسران کو بھی ووٹ کا حق دیا گیا۔ اس فارمولے کے تحت سرکاری افسران، ریٹائرڈ فوجیوں اور جاگیرداروں کے ڈیڑھ لاکھ ووٹ بنتے تھے۔

اگرچہ اس تجویز میں گورنر نے دیہی فوجی اشرافیہ کے مفادات کے تحفظ کی کافی کوشش کی تھی، مگر دیہی فوجی اشرفیہ پھر بھی نظام میں یہ تبدیلی لانے پر معترض ہوئی، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ کانگرس وغیرہ کے پڑھے لکھے سیاستدانوں کا مقابلہ کرنے کی اہلیت ان میں نہیں ہے۔ عمر حیات ٹوانہ نے ۱۹۱۸ء

میں مشیر برائے ریاستی امور کو خط لکھا کہ ہم آپ کے اتنے وفادار رہے ہیں، یہ تجویز تو ہمارے حق میں نہیں۔اس وقت اس دیہی فوجی اشرافیہ کی ایک سیاسی جماعت 'پنجاب مسلم ایسوسی ایشن'( قائم شدہ ۱۹۱۶ء) موجود تھی جس کے سارے اراکین کا تعلق فوجی خاندانوں سے تھا۔ یہ لوگ ۱۹۱۸ء میں ایک وفد کی صورت میں مشیر برائے ریاستی امور سے ملے۔ وفد میں نواب سر بہرام خان، سیّد مہدی شاہ، خان بہادر ملک محمد علی امین، مخدوم سیّد راجن شاہ، مرزا اکرام اللہ، راجہ محمد اکبر، سردار عبد الرحمٰن، نواب فتح علی خان،اعزازی کپتان عجب خان،اعزازی کپتان احمد یار، نواب ملک مبارز خان، نواب ابراہیم علی خان، سلطان محمد خان، محمد حیات قریشی، راجہ محمد اکبر آف جہلم،اعزازی کپتان غلام محمد، اعزازی کپتان محمد حیات، ملک خان محمد، ملک خان رضا علی اور علی مردان قریشی شامل تھے۔اس وفد نے بھی عمر حیات ٹوانہ سے ملتی جلتی باتیں کیں اور دبے لفظوں یہ دھمکی بھی دی کہ ایسا کرنے سے حکومت کا دیہی علاقوں سے تعلق بگڑ جائے گا۔ حکومت بے وفا شہری تاجروں کو خوش کرنے کے لیے یہ تبدیلیاں نہ کرے۔

بالآخر ۱۹۱۹ء میں 'گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ' پاس ہوا جس میں ان سرداروں، جاگیرداروں کے تحفظات کا خیال رکھا گیا۔ اکہتر (۷۱)منتخب اور تیئیس (۲۳)نامزد اراکین بنائے گئے۔منتخب نشستوں میں چونسٹھ (۶۴)علاقائی بنیادوں پر تھیں جبکہ سات (۷) خصوصی نشستیں تھیں۔علاقائی نشستوں میں اکاون (۵۱)دیہی اور صرف تیرہ (۱۳)شہری نشستیں تھیں۔شہری شخص کے لیے ووٹ کی شرط یہ رکھی گئی کہ وہ چار ہزار روپے کے بقدرِ انکم ٹیکس دیتا ہو یا چار ہزار روپے کی غیر منقولہ جایئداد کا مالک ہو۔ یوں پوری آبادی کا صرف تین فیصد حصہ ووٹ کا اہل قرار پایا۔اس ایکٹ کے تحت کل دیہی ووٹ چار لاکھ تیئیس ہزار ایک سو بانوے بنے جبکہ کل شہری ووٹ محض ستتر ہزار پانچ سو ستانوے رہے۔ہر قسم کے ریٹائر فوجی کو بلا تخصیصِ عہدہ ووٹ کا حق ملا۔ پورے پنجاب میں ساٹھ فیصد ووٹ خالصتاً فوجیوں کے تھے۔

## ۱۹۲۰ء کے انتخابات

اس قانون کے تحت ۱۹۲۰ء میں انتخابات ہوئے جس کے نتیجے میں منتخب نشستوں میں سے اڑتالیس (۴۸)اسی دیہی فوجی اشرافیہ کو ملیں۔ منتخب اراکین میں گوجرے کا مہدی شاہ فیصل آباد سے الیکشن جیتا اور جہلم کا راجہ محمد اکبر جو راجپوتوں کا سربراہ تھا بھی منتخب ہو گیا۔ دیگر نمایاں منتخب اراکین

میں واہ کا اعزازی لفٹننٹ سکندر حیات خان، ملتان کا رضا شاہ، ملتان کا ہی کپتان احمد یار خان دولتانہ، باغبانپورہ کے آرائیوں کا میاں محمد شاہنواز، ڈیرہ غازی خان کا الن خان دریشک، گجرات کا چوہدری فضل علی، مٹھہ ٹوانہ کا فیروز خان نون، عیسیٰ خان کا سیف اللہ خان، مظفر گڑھ کا محمد خان، ملتان کا پیر مخدوم رضا شاہ گیلانی، اٹک کا پیر آف مکھڈ، راولپنڈی کا پیر علی حیدر شاہ، شاہ پور کا پیر سیّد غلام محمد، کالا باغ کا ملک امیر محمد خان، جہلم کا کریم اللہ خان جنجوعہ، شمس آباد کا ملک محمد علی خان اور ڈی جی خان کا محمد جمال خان لغاری وغیرہ شامل تھے۔

**جدول۶: ۱۹۱۸ء کے مجوزہ فارمولے میں پنجاب کے دیہی ووٹ دہندگان کی تعداد[26]**

| قسم | تعداد |
|---|---|
| لمبر دار | 65,000 |
| زمیندار اور حکومتی مزارع جن کے پاس پچاس روپے سے زائد کی ملکیت تھی | 85,000 |
| زیلدار، سفید پوش اور انعام دار | 100 |
| محصول جمع کرنے والے کارندے | 900 |
| ضلعی بورڈ کے اراکین | 200 |
| اعزازی مجسٹریٹ اور سب رجسٹرار | 60 |
| پنشن یافتہ فوجی افسران | 2,000 |
| پنشن یافتہ سول ملازمین | 500 |
| تعاونِ باہمی کی تنظیموں کے صدور | 2,000 |
| اندراج شدہ گریجویٹ | 600 |
| میزان | 161,610 |

[26] Franchise Proposals of Punjab Government, November 1918, in PP, 1919, Cmd. 141, Vol. 16, p. 671.

جدول۷: شہری ووٹ دہندگان کی تعداد[27]

| قسم | تعداد |
|---|---|
| اِنکم ٹیکس دہندگان | 21,000 |
| گریجویٹ | 2,000 |
| پنشن یافتہ فوجی اور سول ملازمین | 1,000 |
| مقامی حلقوں کے غیر سرکاری اہلکار | 800 |
| اعزازی مجسٹریٹ اور سب رجسٹرار | 200 |
| تعاونِ باہمی کی تنظیموں کے صدور | 60 |
| 10,000 سے زائد کی غیر منقولہ جائداد کے مالکان | 20,000 |
| زرعی اراضی کے مالکان | 5,000 |
| بیس ہزار سے زائد رقم کے عوض بلدیاتی ٹیکس ادا کرنے والے افراد | 20,000 |
| میزان | 70,060 |

منتخب ہونے کے بعد اس دیہی فوجی اشرافیہ نے پارلیمان میں زیر بحث آنے والے ہر معاملے میں اپنے طبقے کے مفادات ہی کو مدّ نظر رکھا اور پوری مدّت میں ان کا بنیادی ہدف زمین کے محصول کے میں کمی کا قانون منظور کرانا ہی رہا۔

## یونینسٹ پارٹی کا قیام اور اس کی سیاسی فتوحات

اسی گروہ نے ۱۹۲۳ء میں، جب پارلیمان کی مدت ختم ہونے والی تھی، فضل حسین کی تحریک پر 'پنجاب نیشنل یونینسٹ پارٹی' بنا لی۔ فضل حسین کا تعلق گورداسپور سے تھا۔ یہ برطانیہ کی کیمرج یونیورسٹی سے پڑھا ہوا چھوٹے پیمانے کا زمیندار تھا۔ بنیادی طور پر پیشہ ملازمت تھا اور سیاست کا آغاز

[27] Franchise Proposals of Punjab Government, November 1918, in PP, Cmd. 141, Vol. 16, p. 672.

مسلم لیگ سے کیا تھا۔ اگلے انتخابات میں دو ہندوستانی وزارتوں میں سے ایک اسے ملی۔ ۱۹۳۰ء میں اسے وائسرائے ہند کی 'ایگزیکٹو کونسل' میں شامل کر لیا گیا۔

'یونینسٹ پارٹی' کوئی سیاسی ایجنڈا رکھنے والی جماعت نہیں تھی اور نہ ہی عملاً زیادہ منظم ہو پائی۔ یہ دراصل اسی 'دیہی فوجی اشرافیہ' سے تعلق رکھنے والے حاضر سروس اور ریٹائر فوجیوں، جاگیرداروں، انگریز نواز پیروں اور بیوروکریٹ افسروں کا ایک اکٹھ تھا جس کا مقصود اس طبقے کے مفادات کا تحفظ تھا۔ ۱۹۲۳ء کا الیکشن انھوں نے پارٹی کی بنیاد پر نہیں لڑا لیکن اس کے باوجود ان کے تینتیس (۳۳) اراکین پارلیمان میں پہنچ گئے اور ان کی برتری برقرار رہی۔ آپس میں مل کر ایک جماعت بن جانے کے سبب اس طبقے کا حکومت پر انحصار نسبتاً کم ہو گیا اور پے در پے اپنے مفادات کی خاطر بل پیش کرنے کی وجہ سے ۱۹۳۰ء تک یہ لوگ باقاعدہ حزبِ اختلاف کی جماعت سمجھے جانے لگے۔ آگے چل کر کئی ایسے بل جن کو حکومت پاس کروانا چاہ رہی تھی، اسی طبقے کی مخالفت کی وجہ سے رد ہوئے۔

۱۹۱۹ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کو ۱۹۳۵ء کے ایکٹ سے بدل دیا گیا، جس کا بنیادی خاکہ یہ تھا کہ صوبوں کو بڑی حد تک داخلی خود مختاری دے دی گئی اور سب صوبوں کو ایک وفاق میں جوڑا گیا۔ دفاع اور خارجہ امور کا اختیار مرکز ہی کے پاس رکھا گیا۔ مرکز میں موجود گورنر جنرل، برطانیہ کے مشیر برائے ریاستی امور کو اور اس کی وساطت سے برطانوی پارلیمان کو جوابدہ تھا۔ پنجاب کو بھی بھرپور داخلی خود مختاری دی گئی۔ پنجاب کی نئی پارلیمان میں ۱۷۵ نشستیں تھیں جن میں چوراسی (۸۴) مسلمانوں کی، اکتیس (۳۱) سکھوں کی اور بیالیس (۴۲) عمومی تھیں۔ ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں یونینسٹ پارٹی کو ترانوے (۹۳) نشستوں کی غالب اکثریت حاصل رہی، پچھتر (۷۵) دیہی مسلم نشستوں میں سے تہتر (۷۳) اس نے جیتیں۔ یونینسٹ پارٹی نے سکھ خالصہ قومی پارٹی اور ہندو قومی ترقیاتی پارٹی کے اتحاد سے پنجاب میں حکومت قائم کی۔ سکندر حیات خان کو وزیرِ اعظم بنایا گیا۔ کابینہ کے نمایاں افراد میں خضر حیات خان ٹوانہ بھی شامل تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ ان انتخابات میں پنجاب کے علاوہ بیشتر علاقوں میں کانگرس بہت کامیاب رہی۔ مدراس، بہار، اڑیسہ، سی پی، یوپی میں کانگرس کی اکثریت تھی۔ بمبئی، آسام اور سرحد میں بھی انگرس نے اکثریت حاصل کی لیکن یہاں مخلوط حکومتیں بنیں۔ ایک طرف پورے ہند میں کانگرس جیت رہی تھی تو دوسری جانب انگریز کی پالیسیوں کے سبب کانگرس اور مسلم لیگ دونوں پنجاب میں نہ گھس سکیں اور پنجاب مضبوطی سے انگریز نواز جاگیرداروں، فوجیوں اور

سرکاری افسروں پر مشتمل یونینسٹ پارٹی کے ہاتھ میں رہا۔ اس الیکشن میں بھی ووٹ کی اہلیت کا دار و مدار ٹیکس کی ادائیگی اور زمین کی ملکیت ہی پر تھا، اگرچہ ان کی مطلوبہ مقدار میں پہلے کی نسبت کمی کی گئی تھی۔ ان انتخابات میں پنجاب میں شہری ووٹ دہندگان کی تعداد دو لاکھ تریسٹھ ہزار، جبکہ دیہی ووٹ دہندگان کی تعداد چوبیس لاکھ بیاسی ہزار رہی۔ یونینسٹ پارٹی کا یہ غلبہ قیامِ پاکستان کے بالکل قریب تک برقرار رہا اور بالآخر ۱۹۴۶ء میں پہلی بار یونینسٹ پارٹی نے شکست کھائی۔

## دوسری جنگِ عظیم (۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء)

دوسری جنگِ عظیم کے آغاز ہی میں پنجاب اسمبلی نے برطانوی حکومت کے حق میں قرار دادیں منظور کرنا شروع کر دیں اور یونینسٹ پارٹی (یعنی پنجاب کی دیہی فوجی اشرافیہ) نے تاجِ برطانیہ کی ایک بار پھر بھرپور مدد کی۔ پنجاب بھر میں برطانیہ کے حق میں مظاہرے کیے گئے۔ وزیرِ اعلیٰ سکندر حیات خان نے گورنر 'ہنری کریکس' سے کہا کہ: ''ہم چند ہفتوں میں پانچ لاکھ رنگروٹ فراہم کر سکتے ہیں۔ ابھی جنگ کا آغاز ہے، لوگ بھرتی کے لیے تیار ہیں، آپ موقع ضائع نہ کریں''۔ جاگیرداروں نے گاؤں گاؤں جا کر پیسے اکٹھے کرنا اور لوگ بھرتی کرنا شروع کر دیئے۔ جون ۱۹۴۰ء تک تین لاکھ افراد پر مشتمل صوبائی سول گارڈ کا دستہ تیار ہو چکا تھا جس کے ذمہ پنجاب کو پر امن رکھنا اور حکم ملنے پر جنگ میں شرکت کے لیے کسی بھی محاذ پر جانا تھا۔ اس مرتبہ بھرتی کا دائرہ 'جنگجو نسلوں' والے علاقوں سے مزید آگے تک پھیلا گیا، حتیٰ کہ چوری چکاری میں مشہور قبیلوں کے لوگوں کو بھی بھرتی کیا گیا۔ نتیجتاً شاہی ہندی فوج کی تعداد (۱۹۳۹ء میں) دو لاکھ سے بڑھ کر ۱۹۴۱ء میں آٹھ لاکھ پینسٹھ ہزار دو سو ہو گئی جس کا بڑا حصہ پنجابی فوجیوں پر مشتمل تھا۔ ۱۹۴۱ء کے اواخر تک پنجاب جنگ کے لیے پانچ کروڑ پانچ لاکھ روپے جمع کر چکا تھا۔

لیکن جنگ کی وجہ سے مہنگائی میں بھی اضافہ ہوا۔ ۱۹۴۱ء کے اواخر تک بنیادی اشیائے ضرورت کے نرخ تین سو گنا تک بڑھ چکے تھے۔ دوسری طرف قرار دادِ لاہور منظور ہونے کی وجہ سے سکھوں کی وفاداری ایک بار پھر متزلزل ہو رہی تھی۔ سکھوں کی ساری توجہ پنجاب پر مرتکز ہو گئی۔ سکھ محسوس کر رہے تھے کہ برطانوی حکومت پنجاب کو مسلمانوں کے حوالے کرنے پر نیم رضامند سی ہے۔ مزید یہ کہ دسمبر ۱۹۳۹ء میں مصر میں تعینات سکھوں کی یونٹ کی مشینی ٹرانسپورٹ کمپنی نے بغاوت کر دی۔ اسی طرح جون ۱۹۴۰ء میں مرکزی ہندوستانی گھڑ سوار دستے کے ساٹھ (۶۰) فیصد سکھ سپاہیوں نے بیرونِ

ملک جا کر جنگ لڑنے سے انکار کر دیا۔ انھیں حالات سے تنگ آ کر حکومت نے ستمبر میں سکھوں کی بھرتی عارضی طور پر بند کر دی۔

جنگ میں ہندوستان کے تعاون کو یقینی بنائے رکھنے کے لیے ۱۹۴۲ء میں 'کرِپس مشن' بھیجا گیا۔ یہ پہلی بار تھا کہ برطانیہ کی طرف سے ہندوستانیوں کے لیے خود مختاری کی پیشکش ہوئی۔ اس سے واضح ہو گیا کہ جنگ کے اختتام پر برطانیہ ہندوستان سے مکمل یا جزوی طور پر نکل جائے گا۔ نیز یہ بھی واضح ہو گیا کہ اگر برطانیہ نے ہندوستان پر جزوی قبضہ برقرار رکھا تو بھی وہ ریاستوں کو خود مختاری حاصل کرنے کا اختیار دے گا۔ کرپس مشن نے سکھوں کی تشویش میں مزید اضافہ کر دیا۔ لہٰذا سکھوں نے ضلعی سطح پر سکھ رضاکار دستے بنانا شروع کر دیے جس سے فوج میں بھرتی مزید گر گئی۔ یہی وہ دستے تھے جنھوں نے قیامِ پاکستان کے وقت لوٹ مار کی۔ نیز ان بدلتے حالات کو دیکھ کر سکھوں کی اکثریت کا رخ کانگرس کی طرف پھر گیا کیونکہ اس وقت کانگرس کو برطانیہ اور متوقع پاکستان، دونوں کی مخالف جماعت کے طور پر دیکھا جا رہا تھا۔

اس صورتحال میں برطانیہ کلی طور پر پنجابی مسلمانوں پر انحصار کرنے پر مجبور ہو گیا، بالخصوص 'جنگجو نسلوں' والے علاقوں میں۔ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۲ء کے دوران ان علاقوں میں بھرتی کی تعداد چار گنا ہو گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے پنڈی، جہلم اور اٹک کے پندرہ فیصد مرد شاہی ہندی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ ۱۹۴۳ء تک غیر قبائلی پٹھان اور پنجابی مسلمان ہندوستان کی سالانہ بھرتی کا پچیس فیصد حصہ فراہم کر رہے تھے، جبکہ ساڑھے سات فیصد بھرتیاں پنجاب کے سکھوں اور ہندوؤں میں سے ہو رہی تھیں۔ اس طرح کل شاہی ہندی فوج کا بتیس فیصد حصہ پنجاب مہیّا کر رہا تھا۔

## یونینسٹ پارٹی کا زوال اور مسلم لیگ کا عروج

۱۹۴۳ء سے ۱۹۴۴ء کے دوران بنگال میں شدید قحط پڑا جس سے پینتیس لاکھ لوگ مارے گئے۔ اس وقت برطانیہ کی اپنی معاشی حالت اس قدر کمزور تھی کہ کہ وہ باہر سے بنگال کے لیے امداد مہیا نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ یہی صورت باقی بچی کہ پنجاب سے غذائی مواد بنگال لے جایا جائے۔ اس مسئلے نے یونینسٹ پارٹی اور پنجاب حکومت کے انگریز افسران کے درمیان تنازعہ کھڑا کر دیا۔ یونینسٹ پارٹی پنجاب کی ضرورت کو اولین قرار دے رہی تھی اور اجناس کی قیمتوں میں اضافے کا مطالبہ بھی کر رہی تھی۔ جبکہ برطانوی حکومت بنگال کو سستے داموں اجناس فراہم کرنا چاہ رہی تھی۔ یہ دیکھتے ہوئے

یونینسٹ پارٹی نے عوام کو اپنے گودام چھپانے کا مشورہ دے دیا جس کا واضح مطلب قانون کی خلاف ورزی تھا۔ برطانوی حکومت اس صورتحال سے خائف تھی لیکن بیچ کی راہ نہ نکلنے پر چاروناچار 'پرائس کنٹرول ایکٹ' (قیمتوں کو قابو میں لانے کا قانون) نافذ کر دیا گیا اور پنجاب سے غلہ نسبتاً سستے داموں بنگال جانے لگا۔ اس ساری صورتحال نے پنجاب اور برطانوی حکومت کے تعلق میں گہری دراڑیں ڈال دیں۔

ساتھ ہی ساتھ پنجاب کے عوام کے مفادات کا دفاع نہ کر پانے کی وجہ سے عوام اور یونینسٹ پارٹی میں بھی خلفشار پیدا ہو گیا۔ دسمبر ۱۹۴۲ء میں سکندر حیات خان مر گیا جس کے بعد یونینسٹ پارٹی کسی ایک شخص پر اکٹھی نہ ہو پائی اور انتشار کا شکار ہو گئی۔ اس صورتحال سے مسلم لیگ نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ خضر حیات خان نے سکندر حیات کی جگہ حکومت تو سنبھالی لیکن وہ محمد علی جناح کا مقابلہ نہ کر پایا۔ ۱۹۴۴ء میں پارٹی میں موجود ہندو جاٹوں کا نمائندہ چھوٹو رام بھی مر گیا جس سے پارٹی مزید کمزور ہو گئی۔ اس ساری صورتحال کو دیکھتے ہوئے مسلم لیگ نے کسانوں کے مفادات کے دفاع کا نعرہ بلند کیا اور یونینسٹ پارٹی کو پنجاب کے مسائل کی ذمہ دار حکومتی جماعت کے طور پر پیش کرنے لگی۔ ساتھ ہی یہ الزام بھی لگایا گیا کہ یونینسٹ پارٹی سکھ اور ہندو کسانوں کو ترجیح دیتی ہے، جس سے پہلی دفعہ پنجاب میں بھی ہندو مسلم تفریق سامنے آئی۔ یہاں یہ بات بھی توجہ طلب ہے پنجاب سے باہر کے علاقوں میں سیاسی مہم کے دوران مسلم لیگ یہ مؤقف پیش کرتی تھی کہ پنجاب ظلم کر رہا ہے، اسے چاہیے کہ بنگال کو اجناس فراہم کرے۔ لیکن پنجاب کے اندر اس نے ایک بالکل فرق مؤقف اختیار کیا۔[28] ۱۹۴۳ء ہی میں سکندر حیات خان کا چھوٹا بیٹا شوکت حیات خان مسلم لیگ میں شامل ہو گیا اور یونینسٹ پارٹی کے خلاف

---

[28] مسلم لیگ کی جدوجہد کو دینی تقدس کے رنگ میں پیش کرنے کا رواج ہمارے یہاں عام ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ غیر جانبداری کے ساتھ تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو اس حقیقت سے فرار ناممکن نظر آتا ہے کہ مسلم لیگ ایک خالص سیکولر اور لادین جماعت تھی، جس کی بناء اسلام دشمن آغا خانی فرقے کے امام 'سر آغا خان' نے رکھی، جس کی قیادت علی گڑھ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل دیسی انگریزوں کے دین بیزار طبقے نے سنبھالی (جن میں سر فہرست سر سید کی منحرف، فرنگی نواز افکار کے جانشین نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک تھے جو یکے بعد دیگرے مسلم لیگ کے مرکزی سیکرٹری کے عہدے پر فائز رہے)، جس میں وقت کے بڑے بڑے جاگیر دار اور انگریز نواز سیاست دان شامل ہوئے اور جس کی ساری جدوجہد روایتی گندی لادین سیاست سے عبارت تھی۔ نجانے اس ساری جدوجہد کو اسلامی بنا کر پیش کرنے کے لیے کونسے تاریخی حقائق کا سہارا لیا جا سکتا ہے؟ (مترجم)

بولنے لگا۔ اسی طرح یونینسٹ پارٹی کے اور افراد بھی مسلم لیگ میں شامل ہوئے جس کے نتیجے میں 'دیہی فوجی اشرافیہ' ہی خطے کی سیاست پر غالب رہی۔ یعنی پارٹی تو تبدیل ہو گئی لیکن پنجاب کی سیاست پر حکومت کرنے والا طبقہ نہیں بدلا۔ پاکستان بننے پر یہ طبقہ مزید مضبوط ہو گیا کیونکہ ہندوؤں اور سکھوں کے چلے جانے کے بعد مسلمانوں کی یہ 'دیہی فوجی اشرافیہ'[29] تنہا حاکم بن گئی۔

## اختتامیہ

دوسری جنگِ عظیم میں صرف پنجاب سے کل آٹھ لاکھ لوگ گئے جو ہندوستان سے جانے والی کل فوج کا چھتیس فیصد بنتا تھا اور ۱۹۴۵ء تک پنجاب نے پچیس کروڑ روپے فراہم کیے۔ قیامِ پاکستان کے وقت سب سے زیادہ قتل و غارت بھی پنجاب میں ہوئی جس کی وجہ یہاں پر عسکری تربیت یافتہ افراد کی کثیر تعداد میں موجودگی تھی۔ **اس تاریخ کی بدولت آج بھی پاکستان فوج کے دو تہائی افسران پنجاب سے تعلق رکھتے ہیں اور اسی طرح سیاست اور بیوروکریسی میں بھی پنجاب کا جاگیردار طبقہ سب سے نمایاں ہے۔**

**آج کے پاکستان کے نظام کا اگر خلاصہ پیش کیا جائے تو یہ فی الحقیقت فوج، بیوروکریسی اور جاگیردار سیاست دانوں پر مشتمل ایک تکون کے سوا کچھ نہیں۔**[30]

---

[29] مصنف نے پوری کتاب میں دیہی فوجی اشرافیہ کے لیے انگریزی میں Rural Military Elite کی اصطلاح استعمال کی ہے اور اسے ہی پنجاب کا اصل حاکم قرار دیا ہے۔ (مترجم)

[30] پنجاب کی فوج، سول بیوروکریسی اور سیاست دانوں کے گٹھ جوڑ کا تجزیہ کرنے کے بعد اسے پورے پاکستان پر منطبق کر دینے کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان کے نظام کا دل دراصل پنجاب ہی ہے۔ فوج، بیوروکریسی، سیاست، ہر میدان میں اسی خطے پر قابض حکمران طبقے کا غلبہ ہے۔ اسی لیے پنجاب کی عوام پر مسلط حکمران طبقے (یا شیطانی تکون) کے عناصرِ ترکیبی سمجھ لینے سے پورے ملک کا نظام سمجھ آجاتا ہے۔ نیز برطانوی عہد میں پنجاب کی فوجی کمان اور اس کی انتظامیہ کا ایک اساسی کردار سرحد، سندھ اور بلوچستان کو برطانوی سرکار کے تابع رکھنا تھا۔ گویا پنجاب کا نظام حاکم اور باقی تینوں صوبے اس کے محکوم تھے۔ پاکستان کے ریاستی نظام کا یہ ڈھانچہ آج بھی کم و بیش اسی طرح برقرار ہے۔ اسی لیے یہ کتاب برطانوی مقبوضہ پنجاب کے نظام کی وضاحت کرنے کے ذریعے دراصل پورے پاکستان کے ریاستی نظام کا ڈھانچہ واضح کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

نیز یہاں اس نکتے کی طرف توجہ بھی اہم ہے کہ اس حکمران شیطانی تکون میں فوج اصل حاکم ہے اور بیوروکریسی اور سیاست دان اس کے تابع ہیں۔ چونکہ برطانیہ نے فوجی قوت کے زور سے یہاں حکومت کی، اس لیے جس طرح برطانوی دور میں برطانوی فوج اصل حاکم تھی اور باقی سب محکوم، اسی طرح آج بھی پاکستانی فوج حاکم ہے اور سب 'بلڈی سویلین' محکوم!

---

---

اسی لیے یہ معروف جملہ قطعاً بھی مبالغے پر مبنی نہیں کہ

''ہر ملک کی ایک فوج ہوتی ہے، جبکہ ہماری فوج کے پاس ایک ملک ہے''۔

یہی اس نظام کی اصل حقیقت ہے۔ دین بچے نہ بچے، ملک رہے نہ رہے، عوام جئیں یا مریں...... فوج اور اس کی رِٹ کا باقی رہنا بہر حال لازم ہے!

آپ نے جنرل کیانی کی تقریروں کا یہ آخری جملہ تو سنا ہی ہو گا:

''پاک فوج زندہ باد، پاکستان پائندہ باد''!

اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ پاکستان تو اصل میں فوج کا نام ہے...... فوج باقی ہے تو سب کچھ باقی ہے...... اور فوج کی بقاء ہی اصل مقصود ہے...... رہا یہ مظلوم دینِ اسلام اور پاکستان کے بیچارے عوام...... تو ان کی بقاء یا فناء سے کوئی فرق نہیں پڑتا! (مترجم)

پاکستانی فوج اور پاکستانی ریاست کی تاریخ سمجھنے اور ان کی نظریاتی اٹھان کی بنیادیں جاننے کے لیے یہ کتاب ایک ایسے اہم دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے جو پاکستان کے ہر صاحبِ فہم شخص کو پڑھنا چاہیے۔ ہمارے ملک میں بالعموم اس موضوع پر علمی اور تحقیقی انداز میں کام نہیں کیا جاتا۔ یا تو اس موضوع پر ان اشتراکی اور سیکولر مصنفین کی تحریرات ملتی ہیں جو مخصوص سیاسی و نظریاتی مقاصد کے پیشِ نظر اس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اور ان کی دین دشمنی کا متعصّبانہ رنگ ان کی تحریرات میں صاف جھلکتا ہے؛ یا پھر اس موضوع پر ان دین پسند مصنفین کی تحریرات ملتی ہیں جو پاکستان کے تناظر میں بات کرتے ہوئے وطن پرستی اور دین سے محبت کو ہم معنی سمجھ کر، فوج اور ریاست کو مقدس گائے اور ہر تنقید سے بالا مان کر، پھر ایک رومانوی، غیر علمی اور غیر حقیقت پسندانہ انداز میں قلم اٹھاتے ہیں۔ ایسی غیر معتدل فضاء میں ایک ایسی تحریر ہی کی ضرورت تھی جو پاکستانی ریاست اور فوج سے متعلق تاریخی حقائق کو جیسے وہ ہیں، ویسے ہی بیان کر دے اور فیصلہ انصاف پسند قارئین کے لیے چھوڑ دے کہ وہ ان حقائق سے کیا نتائج اخذ کرتے ہیں۔

ادارہ حطّین